شیشے کے گھر

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور پاکستان

کنز الایمان لائبریری
زیر اہتمام
مرکزی بزم عاشقان رسول رجسٹرڈ
اسلام پورہ۔ امام غزالی روڈ۔ لاہور-39

35-G

①

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

شیشے کے گھر

غیر مقلدین کی انگریز نوازی تاریخ کے آئینے میں

محمد عبد الحکیم شرف قادری

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)
لاہور ——— پاکستان

سَلِسلۂ مطبُوعَات نمبر۔ ۱۷
۱۹۸۸
نام کتاب ـــــــــــ شیشے کے گھر
تصنیف ـــــــــــ محمد عبدالحکیم شرف قادری
ناشر ـــــــــــ رضا اکیڈیمی (رجسٹرڈ)
مطبع ـــــــــــ احمد سجاد آرٹ پریس ۔ موہنی روڈ ۔ لاہور

هَدِیَّۃ دُعائے خیر بحق معاونین رضا اکیڈیمی رجسٹرڈ لاہور

بیرون جات کے حضرات ۳ روپے کے ڈاک ٹکٹ
بھیج کر طلب فرمائیں

پتہ
رضا اکیڈمی ۔ رجسٹرڈ ۔ لاہو مسجد رضا
محبُوب روڈ ۔ چاہ میران ۔ لاھور ۳۹
پاکستان ـــــــــــ فون ۲۵۰۳۴۰

فہرست

شیشے کے گھر ـــــــــــ ۷
اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت ـــــــــــ ۸
انگریزی دَور میں نشوونما ـــــــــــ ۱۱
انگریزی دَور میں اُٹھان ـــــــــــ 〃
تقلیدِ ائمّہ اور اجماع کا انکار ـــــــــــ ۱۵
چھوٹا مُنہ اور بڑی بات ـــــــــــ ۱۷
غیر مقلّدین کی تقلید ـــــــــــ ۱۹
فرقہ قلیلہ ـــــــــــ ۲۲
فتنوں کا سرچشمہ ـــــــــــ ۲۴
علماء دیوبند اور اہل حدیث ـــــــــــ 〃
غیر مقلّدی بے دینی کا دروازہ ـــــــــــ ۲۶
بے ادب اور گستاخ ـــــــــــ ۲۷
رُخصتوں کا مجموعہ ـــــــــــ 〃
غیر مقلّد ہونا آسان ـــــــــــ ۲۸
ادب و تہذیب سے دُور ـــــــــــ 〃
نیّت پر بھی شُبہ ـــــــــــ 〃
ابطالِ سُنّت ـــــــــــ ۲۹
فتنوں کے بانی غیر مقلّدین کے بطن سے ـــــــــــ 〃
انگریز کی نظرِ کرم ـــــــــــ 〃
بے ادب اور گستاخ ـــــــــــ ۳۰
تبدیلیِ عنوان ـــــــــــ ۳۴

مُستند خیر خواہ —— ۳۶
اہل حدیث اور انگریز —— ۳۷
کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟ —— ۴۱
گرداب حیرت —— ۴۶
گارڈنر کون تھا؟ —— ۵۰
انوکھا معیارِ تحقیق —— ۵۱
مقصدِ جہاد —— 〃
سرحدی مسلمانوں سے جہاد —— ۵۳
واقعۂ بالاکوٹ کے بعد —— ۵۵
گورنمنٹ سے روابط —— ۶۱
ہدیۂ نیاز لارڈ ڈفرن اور ایچی سن کے حضور —— 〃
ملکۂ برطانیہ کے حضور اہلِ حدیث کا ایڈریس —— ۶۳
ملکہ کا خطاب —— ۶۵
لارڈ ڈفرن کے حضور —— ۶۶
سپاسنامے کے شرکاء —— ۷۱
ایچی سن کے حضور —— 〃
دربار دہلی میں ارمغانِ عقیدت —— ۷۲
الاقتصاد فی مسائل الجہاد —— ۷۳
ہندوستان دارالاسلام ہے —— ۷۴
جہاد کہیں بھی نہیں ہو سکتا —— 〃
۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی —— ۷۸
جہاد حرام —— ۷۹
سرٹیفکیٹ —— ۸۰
رفتارِ زمانہ سے واقف —— 〃

خوفناک انگریزی مظالم —— ۷۱
مادرِ مہربان —— 〃
ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی —— ۸۲
ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے —— 〃
ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعثِ فخر —— 〃
۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے —— ۸۳
برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے —— 〃
مُسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا —— 〃
انعامِ وفا —— ۸۴
میاں نذیر حسین دہلوی —— ۸۶
پہلا دور —— 〃
دوسرا دور —— ۸۸
انعام یافتہ وفادار —— ۹۱
حالتِ جنگ میں درس جاری رہا —— ۹۲
جہاد باعثِ ہلاکت و معصیت —— ۹۳
انگریزی میم کی حفاظت —— ۹۵
سرٹیفکیٹ —— ۹۷
راولپنڈی کی نظر بندی —— ۹۸
سفرِ حج اور کمشنر دہلی کی چٹھی —— ۱۰۱
ہندوستان دارالامان —— ۱۰۲
گورنمنٹ خدا کی رحمت —— 〃
نواب صدیق حسن خاں بھوپالی —— ۱۰۴
زینۂ ترقی —— 〃
جہاد کا عزم گناہِ کبیرہ —— ۱۰۷

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ ۱۰۸
شرائطِ جہاد مفقود ۱۰۹
غدر میں اہل حدیث نے حصّہ نہیں لیا 〃
جہاد نہیں فساد تھا 〃
سب سے زیادہ خیر خواہ؟ 〃
ملکہ بھوپال کے اعزازات ۱۱۰
دورِ ابتلاء ۱۱۱
خدا یاد آیا ۱۱۳
وفات ۱۱۴
بحالی 〃
تصانیف ۱۱۵
دعوائے مجدّدیت 〃
ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۱۱۶
ترجمۂ قرآن 〃
انگریز ہی سلطنت کے اہل ہیں ۱۱۷
انعام ۱۱۹
قاضی محمد سلیمان منصور پوری ۱۲۱
اہل حدیث کانفرنس کا ایک مقصد حکومت سے وفاداری 〃
مولوی ثناء اللہ امرتسری 〃
تفسیر یا تحریف؟ ۱۲۲
مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ۱۲۵
حکومتِ برطانیہ سے وفاداری پر اصرار ۱۲۶
اُجلی پیشانیاں 〃
برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان ۱۲۷

شیشے کے گھر

علماء اہل سنّت وجماعت کا یہ طرّۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اربابِ اقتدار کی چوکھٹ پر جبہ سائی کو اپنے دینی منصب اور مقام کے خلاف سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس سے مجتنب رہے۔ وہ غیر مسلم حکمران تو کجا مسلمان سلاطین اور نوابوں سے بھی تعلقِ خاطر رکھنے کے روادار نہ ہوتے۔ ایک دفعہ امام احمد رضا خاں بریلوی سے ریاست نانپارہ کے نواب کی شان میں قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعت لکھی اور مقطع میں فرمایا:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

ایسے بے نفس اور پیکرِ ورع وتقویٰ حضرات کا انگریزی حکومت سے راہ ورسم رکھنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خوشامد اور تملق سے کام لینے کا کوئی انصاف پسند دیانت دار تصور بھی نہیں کر سکتا، یہی روایت آج تک جاری ہے۔

پیشِ نظر مقالہ میں علماء اہل حدیث کی فکری اور سیاسی تاریخ کا ایک حصّہ پیش کیا گیا ہے احسان الٰہی ظہیر کی طرح خود ساختہ نتائج اخذ نہیں کیے گئے، بلکہ ان کی کتابوں کے اقتباسات من وعن پیش کر دیے گئے ہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین، علماء اہل سنّت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے

کچھ عرصہ سے انھوں نے اتہام پردازی کی مہم چلا رکھی ہے، اس لیے انہیں آئینہ دکھانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد قارئین یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ ان پر "شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی" کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے ؎

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ، حماقت تو دیکھئے

اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اہل حدیث آج تک وہابیت سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ برطانیہ سے بڑی کوششوں کے بعد وہابی نام کی جگہ اہل حدیث منظور کرایا۔ ذیل کے چند اقتباسات اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں؛

"ہند کے لوگوں کو وہابیہ نجدیہ سے نسبت دینا کمال نادانی اور نہایت بے وقوفی اور صریح غلطی ہے۔"[1]

اس الزام کو رد کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں؛

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر عامل ہیں، ان کا نام اہل سنت وجماعت ہے نہ وہابی — اور ہندوستان کے اکثر مسلمان سُنّی مذہب رکھتے ہیں نہ مذہب حنبلی — اور علماءِ اسلام نے جہاں تعداد بہتر فرقوں اس امتِ اسلام کی لکھی ہے اور نام بنام ان کو گِنا ہے، ان میں کہیں کسی جگہ کسی فرقہ کا نام وہابیہ نہیں بتلایا

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب؛ ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۴

اور یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دین قدیم اسلام میں کوئی نئی راہ و طریقہ یا جدید مذہب و فساد کی بات نکالے، اس کا نام بدعتی اور ہوائی ہے اور وہ دوزخیوں میں ہے، پھر کس طرح کوئی سچا مسلمان کسی نئے طریقے نکالے ہوئے پر چل سکتا ہے اور وہ کب کسی لقب جدید کو اپنے لیے پسند کرلے گا۔"[1]

غور کیجیے نواب صاحب کتنی صراحت کے ساتھ کہہ گئے ہیں کہ وہابی نجدی سچے مسلمان نہیں، بلکہ دوزخی ہیں، اس کے علاوہ حنبلیوں کے سُنّی ہونے کی بھی نفی کر گئے ہیں۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والا جریدہ "اشاعۃ السنۃ" تمام اہل حدیث کا ترجمان رہا ہے، اس میں لکھا ہے؛

"اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (مزیلِ حیثیت) ہے۔"[2]

نیز لکھا؛

"وہابی باغی و نمک حرام۔"[3]

غلام رسول مہر لکھتے ہیں؛

"وہابی کا لفظ اس لیے بھی غلط تھا کہ یہاں کے اہل حدیث کو نجد کے وہابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اہلِ نجد حنبلی ہیں۔ اہل حدیث کسی امام کے مقلد نہیں۔ لیکن انگریزوں نے انہیں زبردستی "وہابی" کہنا شروع کیا، اس کے خلاف جتنی کوششیں ہوئیں، وہ بالکل درست تھیں"[4]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب؛ ترجمانِ وہابیہ ص ۱۴

[2] اشاعۃ السنۃ؛ ج ۱۰، شمارہ اوّل، ص ۱۰ (حاشیہ

[3] ایضاً؛ ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۳

[4] غلام رسول مہر؛ افاداتِ مہر (مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنّی) شیخ غلام علی، لاہور، ص ۲۲۲

مگر آج کے اہل حدیث بڑے فخر سے اپنا تعلق وہابیت اور محمد بن عبدالوہاب نجدی سے جوڑ رہے ہیں، آخر کیوں؟ سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ نجدی ریالوں کی چمک دمک اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ

ذرا افراطِ عقیدت دیکھیے، مجدد الدعوۃ السلفیۃ فی شبہ الجزیرۃ وامام اہل التوحید محی السنۃ قاطع الشرک والبدعۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب[1] ایک ایک لفظ میں ریالوں کی کھنک محسوس کی جا سکتی ہے۔

شرف قادری

۷ر ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ
۲۶ر جولائی ۱۹۸۵ء

---

[1] ظہیر،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انگریزی دور — زمانۂ ترقی

متحدہ پاک و ہند میں انگریز کی آمد تک تمام مسلمان سُنّی حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ سلاطین بھی اکثر و بیشتر حنفی تھے، البتہ بعض بادشاہوں نے نئی راہیں اپنانے کی کوشش کی، مگر انہیں عامۃ المسلمین کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ بعض مقامات پر فقہ جعفری کے پیروکار بھی پائے جاتے تھے۔ کہیں کہیں فقہ شافعی پر عمل کرنے والے بھی موجود تھے، مگر غالب اکثریت احناف ہی کی تھی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

> "خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں — اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔"[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> "اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کمتر اہل حدیث ہیں۔"[2]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی نواب، ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۰

[2] ایضاً، ″ ص ۵۷

جب سے اس سرزمین پر انگریز کے منحوس قدم آئے، تو دین و مذہب سے آزادی اور بے راہروی کی رَو بھی چل نکلی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث لکھتے ہیں:

"اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خودسری و خود اجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے اور ہندوستان کے ہر شہر و بستی و کوچہ و گلی میں پھیل گئی ہے جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان رہنے نہیں دیا۔ حنفی اور شافعی مذاہب کا تو کیا پوچھنا ہے"[1]

آزاد روی کی یہ ہوا اتفاقاً نہیں چلی تھی، بلکہ اس میں انگریزی حکومت کی منشا بھی شامل تھی۔۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"فرمانروایانِ بھوپال کو ہمیشہ آزادگیٔ مذہب میں کوشش رہی جو خاص منشا گورنمنٹ انڈیا کا ہے . . . . . . دولتِ عالیہ برٹش نے اس معاملہ میں قدیماً و حدیثاً ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی ہے، کسی جگہ مجرد تہمت و افترا پر کارروائی خلافِ واقع نہیں فرمائی، بلکہ اشتہارِ آزادی مذہب جاری کیئے"[2]

مزید لکھتے ہیں:

"اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا تو وہی شخص ہوگا جو آزادگیٔ مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہبِ خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے۔"[3]

خاص طور پر حنفی، شافعی وغیرہ مذاہب سے آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ آزادگی ہماری مذاہب جدیدہ سے عین مراد قانونِ انگلشیہ ہے"[4]

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۵

[2] صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ (مطبع محمدی لاہور) ص [illegible]

[3] ایضاً: ص ۵

[4] ایضاً: ص ۲۰

ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ جوبلی پر غیر مقلدین کی طرف سے جو ایڈریس (سپاسنامہ) پیش کیا گیا اُس کی ایک شق یہ تھی:

"وہ خصوصیت ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے۔ بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔"[1]

مولوی محمد حسین بٹالوی، حکومت کے "وہابی" کی بجائے اہل حدیث "نام الاٹ کرنے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرقہ اہل حدیث، گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہر دل عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ وائسرائے لارڈ ڈفرن اور اپنے پیارے اور رحم دل اور فیاض لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کا تہِ دل سے شکر گزار ہے اور بعوض و شکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہلِ اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہلِ اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے)"[2]

ایک جگہ تو پوری صراحت کے ساتھ غیر مقلدین کی آزاد روی کو انگریزی حکومت کے اشارۂ ابرو کا مرہونِ منّت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ لوگ (غیر مقلدین) اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں، جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے، خصوصاً دربارِ دہلی میں جو سب درباروں کا سردار ہے . . . . یہ آزادگی سرکار برٹش کو یا اُن کو جو اس حکومت میں اظہار،

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ ج ۹ شمارہ ۷، ص ۲۰۶

[2] ایضاً: ص ۲۰۳

اپنی آزادگی مذہب خاص کا کرتے ہیں، مبارک رہے۔ اب تامل کرنا چاہیے کہ دشمن سرکار کا وہ ہوگا جو کسی قید میں اسیر (مقلد) ہے یا وہ ہوگا جو آزاد وفقیر (غیر مقلد) ہے۔"[1]

محمد حسین بٹالوی اپنے فرقے کا تعلق تمام سلف صالحین سے قطع کر کے صرف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا مقلّد ہونا ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں؛

"یہ فرقہ اہل حدیث بجز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی (ابوبکر، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کسی تابعی (حسن بصری، زہری، سعید بن المسیّب وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کسی امام (ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی صوفی (جنید بغدادی، شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی مولوی زندہ یا مردہ کا محض مقلد نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس گروہ کا نام ان کے مخالفوں نے لامذہب وغیر مقلد رکھا ہوا ہے۔"[2]

گویا صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ والا صراطِ مستقیم فرسودہ ہو چکا تھا اس لیے نئے راستے کی ضرورت پیدا ہوئی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس فرقہ کے نو پیدا ہونے کی شہادت دیتے ہیں؛

فقد نبتت فی ھٰذا الزمان فرقۃ ذات سمعۃ ورياء تدعی لانفسھا علم الحدیث والقراٰن والعمل بھما علی العلات فی کل شان مع انھا لیست فی شیئ من اھل العلم والعمل والعرفان[3]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ، ص ۳

[2] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۳، ص ۴۷

[3] صدیق حسن خاں بھوپالی، الحطہ (اسلامی اکیڈمی، لاہور) ص ۱۵۲

"اس زمانہ میں نمائش اور ریاکاری کا عادی فرقہ پیدا ہوا ہے جو اپنے علاّتی بھائیوں (احناف) کے مقابل حدیث و قرآن کے علم اور ہر معاملے میں قرآن و حدیث پر عمل کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ علم، عمل اور معرفت میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔"

میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبد الخالق فرماتے ہیں؛

"سو بانی مبانی اس طریقۂ احداث (غیر مقلّدین) کا عبد الحق ہے جو چند روز سے بنارس میں رہتا ہے۔"[1]

مولوی محمد شاہ شاہجہانپوری جو خود غیر مقلّد ہیں، لکھتے ہیں؛

"کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آ رہے ہیں جس سے لوگ بالکل نا آشنا ہیں۔ پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سُنا ہے۔

اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلّد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔"[2]

تقلید ائمّہ اور اجماع کا انکار

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مذہبِ حنفی سے وابستہ تھی۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں؛

---

[1] عبد الخالق، مولانا؛ تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳

[2] بشیر احمد قادری؛ اہل حدیث اور انگریز (ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی) ص ۱۶-۱۵ بحوالہ الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳

"اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کمتر اہل حدیث ہیں۔"[1]

ایسے عالم میں تشکیک کی فضا قائم کرنا اور عامۃ المسلمین کو ائمہ دین کی پیروی سے منع کرنا، وحدتِ ملی کے ختم کرنے کی جانب پہلا قدم تھا، غیر مقلدین کے پہلے امام شاہ اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی (اجتہاد) سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ و رسول کے کلام کو اصل رکھیے اور اس کی سند پکڑیے۔"[2]

حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ مقلدین قرآن و حدیث کے ان احکام پر عمل کرتے ہیں جو ائمہ دین نے بیان کیے جن کے علم و فضل اور تقویٰ و دیانت پر تمام دنیا کے مسلمان متفق ہیں، جبکہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن و حدیث سے احکام حاصل کرنے اور اجتہاد کے مدعی ہیں، ان غیر مقلدین کو قرآن و حدیث کے فہم میں ائمہ مجتہدین سے کیا نسبت؟ جن کی جلالت اور ثقاہت پر دنیا کے تمام مسلمان متفق ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فاذا کان جاھل فی بلاد الھند او بلاد ماوراء النھر ولیس ھناك عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب ھذہ المذاھب وجب علیہ ان یقلد لمذھب ابی حنیفۃ ویحرم علیہ ان یخرج من مذھبہ لانہ حینئذ یخلع ربقۃ الشریعۃ ویبقی سدا مھملا[3]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ ص ۵۷

[2] اسمٰعیل دہلوی، تقویۃ الایمان (اخبار محمدی دہلی) ص ۳

[3] ولی اللہ، محدث دہلوی شاہ، الانصاف (مکتبہ ایشیق استانبول) ص ۲۲

"جب ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ وہ اس وقت شریعت کا قلادہ (گلے سے) اتار پھینکے گا اور بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔"

چھوٹا مُنہ اور بڑی بات

نواب صدیق حسن خاں اپنے زمانہ کے مدعیانِ علم کے بارے میں لکھتے ہیں، اس سے واضح ہو جائے گا کہ عالم کون ہے اور بے علم کون؟

ان قصاری نظر ابناء ھذا الزمان فی علم الحدیث فی مشارق الانوار فان ترفعت الی مصابیح البغوی ظنت انھا تصل الی درجۃ المحدثین وما ذاك الا لجھلھم بالحدیث بل لو حفظھما عن ظھر قلب وضم الیھما من المتون مثلھما لم یکن محدثا (حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط) وانما الذی یعدہ اھل الزمان بالغا الی النھایۃ وینادونہ محدث المحدثین وبخاری العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الاثیر مع حفظ علوم الحدیث لابن الصلاح او التقریب للنووی الا انہ لیس فی شیئ من رتبۃ المحدثین[1]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، الحطہ، ص ۱۵۲

"علمِ حدیث میں ہمارے معاصرین کی نظر زیادہ سے زیادہ مشارق الانوار تک ہے اور اگر وہ امام بغوی کی مصابیح تک پہنچ جائیں تو اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے ہیں، حالانکہ وہ اگر ان دونوں کتابوں کو زبانی یاد کرلیں اور ان کے علاوہ دیگر متون بھی حفظ کرلیں تو وہ محدث نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سُوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ ہمارے معاصرین جسے انتہا کو پہنچا ہوا شمار کرتے ہیں اور اسے محدثوں کا محدث اور بخاریٔ عصر کہتے ہیں وہ ہے جو ابن اثیر کی جامع الاصول (کے پڑھنے پڑھانے) میں مصروف ہو اور ابن صلاح کی علوم الحدیث یا امام نووی کی تقریب اسے یاد ہو حالانکہ اسے محدثین کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں ہے۔"

خود نواب صاحب نے ائمۂ مجتہدین کی راہ پر چلنے سے جابجا انکار کیا، دُنیا بھر کے حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی مسلمانوں کے اجماع کو قبول کرنے سے گریز کیا چنانچہ لکھتے ہیں:

ہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک نبی برحق کی چال چلنے والے اپنے تئیں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ نہ اپنے تئیں حنفی اور شافعی کہتے ہیں اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں۔ [1]

اس سے چند سطر بعد اجماع کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ صرف کتاب و سنّت (اجماع کا کوئی ذکر نہیں) کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھیراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔" [2]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمان وہابیہ، ص ۱۹

[2] ایضاً؛ ص ۲۰

ائمۂ مجتہدین کے اجتہادات کو مکر و فریب اور امتِ مسلمہ کی غالب اکثریت کو خرابیوں کے جال میں گرفتار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور پر ظاہر ہے کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم رائے (اجتہاد) ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق کے پھیلا ہے اور مہا جال ان سب خرابیوں کا بول چال فقہاء اور مقلدوں کی ہے۔" [1]

چند سطر بعد اس سے بھی آگے کی خبر دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"غرض یہ کہ اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو، تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔" [2]

نواب وحید الزمان جو خود بھی غیر مقلد ہیں، اپنے بھائیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر، صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے ہیں۔" [3]

غیر مقلدین کی تقلید

لُطف کی بات یہ کہ ائمۂ مجتہدین کی تقلید کو عار جاننے والے، ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے اقوال کے آگے مقلدانہ سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نواب وحید الزمان اس غلو

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمان وہابیہ ص ۲۴

[2] ایضاً؛ ص ۲۴

[3] محمد عبدالحلیم چشتی؛ حیات وحید الزمان (نور محمد کراچی) ص ۱۰۲ (بحوالہ وحید اللغات مادہ شر شعب)

پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، بُرا بھلا کہنے لگے۔

بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابو حنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟"[1]

اسی لیے میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبد الخالق لکھتے ہیں :

"جیسے یہ نئے مذہب والے (غیر مقلدین) ہیں کہ کسی مذہب کو نہیں مانتے تو وہ منقر اجماعِ امتِ مرحومہ کا مخالف ہے، اُس کو محمدی خالص جاننا عین ضلالت ہے۔"[2]

مولانا عبد الحی لکھنوی اس قسم کے نو پید افرقوں کے ظہور اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ولعمری افساد هؤلاء الملاحدة وافساد اخوانهم الاصاغر المشهورین بغیر المقلدین الذین سموا انفسهم باهل الحدیث وشتان ما بینهم وبین اهل الحدیث قد شاع فی جمیع بلاد الهند وبعض بلاد غیر الهند فخربت به البلاد ووقع النزاع والعناد فالی الله

---

[1] محمد عبد الحلیم چشتی، حیات وحید الزمان (بحوالہ وحید اللغات) ص ۱۰۲

[2] عبد الخالق، مولانا، تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳۹

المشتکی والیه المتضرع والملتجی بدأ الدین غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء۔

ولقد کان حدوث مثل هؤلاء المفسدین والملحدین فی الازمنة السابقة فی ازمنة السلطنة الاسلامیة غیر مرة فقابلتهم اساطین الملة وسلاطین الامة بالصوارم المنکبة واجروا علیهم الجوارم المفنیة فاندفعت فتنتهم بهلاکهم ولما لم تبق فی بلاد الهند فی اعصارنا سلطنة اسلامیة ذات شوکة وقوة عمت الفتن واوقعت عباد الله فی المحن فانا لله وانا الیه راجعون ۔[1]

"ملحد نیچریوں کے چھوٹے بھائی غیر مقلدین ہیں جنہوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہوا ہے، حالانکہ ان کے اور اہل حدیث کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان دونوں فرقوں کا فساد ہندوستان کے تمام شہروں اور بیرونِ ہند کے بعض شہروں میں پھیل گیا ہے، چنانچہ شہر خراب ہو گئے اور جھگڑا اور عناد پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں شکایت، عاجزی اور التجا ہے، دین کی ابتدا غربت میں ہوئی اور وہ پھر غریب ہو جائے گا۔ پس غرباء کے لیے خوشخبری ہے۔

ایسے مفسدین اور ملحدین، گزشتہ ادوار میں اسلامی سلطنت کے زمانے میں کئی دفعہ پیدا ہوتے رہے، ملتِ اسلامیہ کے سلاطین تلواروں سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کے خاتمہ کے حتمی احکام صادر کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی

---

[1] عبد الحی لکھنوی، مولانا، الآثار المرفوعة (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ص ۹

ہلاکت کے ساتھ ان کا فتنہ سرد ہوتا رہا اور جب ہمارے زمانے کے ہندوستان میں قوت و شوکت والی اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو فتنے عام ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

"راقم کو اگر کوئی طنز سے وہابی کہتا ہے تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا لیکن اگر کوئی اہل حدیث کے نام سے یاد کرے تو اس سے برأت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اہل حدیث سے تحزب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔"[1]

فرقۂ قلیلہ

پاک و ہند میں غالب اکثریت سُنّی حنفی مسلمانوں کی رہی ہے۔ غیر مقلدین ہمیشہ تعداد میں کم رہے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود انہیں بھی رہا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے ہم خیال علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پھر خاص اپنے گروہ جو عام مسلمانوں کی نسبت ایسے ہیں جیسے آٹے میں نمک، کی قلت پر اور عام مسلمانوں کی نظروں میں ان کی حقارت اور ذلت پر ترس کھائیں۔ اس قلت اور ذلت کو اور نہ بڑھائیں۔"[2]

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

"خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔"[3]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] مسعود عالم ندوی؛ حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی، لاہور) ص ۲۹

[2] محمد حسین بٹالوی؛ اشاعۃ السنۃ، ج ۷، شمارہ ۱۲، ص ۳۷۰

[3] صدیق حسن بھوپالی؛ ترجمانِ وہابیہ ص ۱۰

"حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے۔"[1]

ان کا یہ قول بھی قابلِ ملاحظہ ہے:

"اور ہند کے مسلمان، اکثر حنفی اور بعضے شیعہ اور کمتر اہل حدیث۔"[2]

مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اسّی سال قبل پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔"[3]

طُرفہ تماشا یہ کہ اس تمام تر قلت اور ذلت کے باوجود دُنیا بھر کی برائیوں کا الزام سوادِ اعظم احناف کو دینے سے باز نہیں آتے اور صاف صاف کہہ دیتے ہیں:

"اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔"[4]

مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد سے آج تک جو جماعت غالب اکثریت کے ساتھ موجود رہی، وہ جھوٹی ہے اور سچا فرقہ صرف وہ ہے جو انگریز کی آمد کے بعد پیدا ہوا، فیا للعجب!

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

"سارے عالمِ اسلام میں غیر مقلدین کا فرقہ باقاعدہ جماعتی رنگ میں کبھی پہلے تھا اور نہ ہی اب موجود ہے۔ صرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمان وہابیہ ص ۱۵

[2] ایضاً ص ۵۷

[3] ثناء اللہ امرتسری؛ شمعِ توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰

[4] صدیق حسن خاں بھوپالی؛ ترجمانِ وہابیہ ص ۲۴

یہ فرقہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے، لیکن ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ کا کہیں بھی نام و نشان تک نہ تھا۔ ہندوستان میں اس فرقہ کا ظہور و وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشمِ التفات کا رہینِ منت ہے۔" [1]

فتنوں کا سرچشمہ

سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا راستہ اور طریقہ نہ صرف صراط الذین انعمت علیہم کا مصلق ہے، بلکہ ان حضرات کی پیروی وہ بابرکت قلعہ ہے جس کے اندر رہنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نئے نئے فتنوں سے محفوظ اور مامون رہتا ہے اور جب کوئی شخص ان حفاظتی حدود کو پھلانگ جاتا ہے، تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس گڑھے میں جا گرے گا۔

غیر مقلدین نے اتباعِ ائمہ کی رسّی اپنی گردن سے کیا اتاری کہ جو شخص جس شکاری کی زد میں آیا، اسی کے جال میں گرفتار ہو گیا۔

غیر مقلد عالم قاضی عبد الاحد خانپوری لکھتے ہیں:

"پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں، وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و روافض کے، یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کا تھے اسلام کی طرف، یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہٖ مثل اہلِ تشیع۔" [2]

محمد سعید الرحمٰن علوی دیوبندی لکھتے ہیں:

---

[1] بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز (ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی) ص ۶

[2] ایضاً، غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں (مطبوعہ فقیر والی)، ص ۳۰

"دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث، قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے۔" [1]

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"سرسید کا مذہب اسلامی دنیا کو معلوم ہے کہ عقلی تاویلات اور ملاحدۂ یورپ کے خیالات تھے، چند روز انہوں نے اہل حدیث کہلایا۔" [2]

نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں:

"سید احمد خاں سی ایس آئی دعویٰ وہابیت کا کرتے ہیں۔" [3]

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"قادیان میں مرزا پیدا ہوا، تو اس کو بھی اہل حدیث کے مولوی حکیم نورالدین بھیروی۔ جمونی اور مولوی احسن امروہوی بھوپالی نے ویلکم یا لبیک کہا۔

فتنۂ انکارِ حدیث (چکڑالوی مذہب) نے مسجد چینیاں والی میں جو اہلحدیث کی مسجد ہے، جنم لیا اور چٹو و محکم الدین وغیرہ (جو اہل حدیث کہلاتے تھے) کی گود میں نشو و نما پایا اور یہی مسجد بانیٔ مذہب چکڑالوی کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔" [4]

آج کل احسان الٰہی ظہیر اسی مسجد کے خطیب ہیں۔

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

"اس مقصد کے لیے بھی غیر مقلدین نے اس (انگریز) کو چند نہایت موزوں افراد فراہم کیے۔ یہ تھے لاہور کی چینیاں والی مسجد کے خطیب عبد اللہ چکڑالوی،

---

[1] بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (مقدمہ) ص ۳

[2] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹ شمارہ ۸ ، ص ۲۵۲

[3] صدیق حسن بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ ص ۵۷

[4] محمد حسین بٹالوی اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲

احمد دین بگوی، اسلم جیراجپوری، نیاز فتح پوری اور اُن کے اتباع و اذناب یہ اشخاص انگریز کی آرزوؤں، خواہشوں اور تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت تیزی سے آگے بڑھے اور فرقہ انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔"[1]

مولوی بشیر احمد دیوبندی "خیر التنقید" کے حوالے سے لکھتے ہیں :

"جناب بٹالوی صاحب . . . . . لکھتے ہیں :— پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔"[2]

عُلماءِ دیوبند —— اور اہل حدیث

دیوبندی مکتبِ فکر کے "اعتقادیات میں اہل حدیث کے ساتھ متفق ہونے کے باوجو اہل حدیث کے بارے میں تاثرات لائقِ مطالعہ ہیں۔

غیر مقلّدی بے دینی کا دروازہ

مولوی اشرف علی تھانوی، محمد حسین بٹالوی کے بارے میں کہتے ہیں :

"مولانا موصوف غیر مقلّد تھے، مگر منصف مزاج۔ حضرت (تھانوی صاحب) نے فرمایا کہ میں نے خود ان کے رسالہ "اشاعۃ السنۃ" میں ان کا یہ مضمون دیکھا ہے

---

[1] بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز ص ۱۱ - ۱۰

[2] ایضاً، اہل حدیث اپنے اکابر کی نظر میں ص ۳۴

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

"پچیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے۔" حضرت گنگوہی نے اس قول کو سبیل السداد میں نقل کیا ہے۔"[1]

تھانوی صاحب کے چند اقوال ملاحظہ ہوں :

"ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے، بے دینی کی نہیں، ہاں جو ائمہ مجتہدین پر تبرّا کرے، تو بے دینی ہے۔"[2]

بے ادب اور گُستاخ

"ایسے ہی اکثر غیر مقلد ہیں، حدیث کا تو نام ہی نام ہے۔ محض قیاسات ہی قیاسات ہیں، اپنے ہی مقلد ہیں، حدیث کی تو ہوا بھی نہیں لگی اور ایک چیز کا تو ان میں نام و نشان نہیں، وہ ادب ہے، نہایت ہی گستاخ اور بے ادب ہوتے ہیں جو جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، بڑے جری ہیں اس باب میں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنے والا بڑے ہی خطرہ میں ہوتا ہے سوءِ خاتمہ کا۔"[3]

رُخصتوں کا مجموعہ

"حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر غیر مقلدوں کے مذہب کا حاصل مجموعہ رُخص (رخصتوں پر عمل کرنا) ہے جس کا نتیجہ اکثر بددینی ہے۔"[4]

---

[1] محمد شفیع، مفتی : مجالسِ حکیم الامت (دارالاشاعت، کراچی) ص ۲۴۲

[2] ایضاً، ص ۲۳۴

[3] محمد اشرف علی تھانوی افاضاتِ یومیہ (ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان) ج ۴، ص ۲۴

[4] ایضاً ج ۴، ص ۲۶۹

غیر مقلّد ہونا آسان

"غیر مقلّد ہونا تو بہت آسان ہے، البتہ مقلّد ہونا مشکل ہے، کیونکہ غیر مقلدی میں تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کرلیا، جسے چاہا بدعت کہہ دیا، جسے چاہا سنّت کہہ دیا، کوئی معیار ہی نہیں، مگر مقلّد ایسا نہیں کر سکتا، اس کو قدم قدم پر دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔ بعضے آزاد غیر مقلدوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سانڈ ہوتے ہیں۔ اس کھیت میں منہ مارا، اُس کھیت میں منہ مارا، نہ کوئی کھونٹا ہے نہ تھان ہے۔"[1]

ادب و تہذیب سے دُور

اکثر پکّے محبِ دنیا ہیں، بزرگوں سے بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی حد و حساب نہیں اور اس سے آگے بڑھ کر یہ ہے کہ بدزبانی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ادب اور تہذیب ان کو چھُو بھی نہیں گئے۔ ہاں بعضے محتاط بھی ہیں۔ وقلیل ماھم[3] (اور وہ بہت تھوڑے ہیں)

نیّت پر بھی شبہ

"بعضے غیر مقلدوں میں تشدد بہت ہوتا ہے، طبیعت میں شر ہوتا ہے اور مجھے تو الّا ماشاء اللہ ان کی نیّت پر بھی شبہ ہے۔ سنّت سمجھ کر شاید ہی کوئی

---

[1] محمد اشرف علی تھانوی ؛ افاضاتِ یومیہ ، ج ۴ ، ص ۲۹۴

[2] ایضاً ؛ ج ۱ ، ص ۲۲۲

[3] ایضاً ؛ ج ۱ ، ص ۲۲۲

عمل کرتے ہوں، مشکل ہی سا معلوم ہوتا ہے"[1]

ابطالِ سُنّت

"آج کل کے اکثر غیر مقلّدوں میں تو سوءِ ظن کا خاص مرض ہے۔ کسی کے ساتھ بھی حُسنِ ظن نہیں رکھتے۔ بڑے ہی جری ہوتے ہیں، جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں جو چاہیں کہہ ڈالتے ہیں۔ ایک سنّت کی حمایت میں دوسری سنّت کا ابطال کرنے لگتے ہیں۔"[2]

فتنوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے

ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے سابق مدیر، محمد سعید الرحمٰن علوی لکھتے ہیں ؛

"دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث، قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے"[3]

انگریز کی نظرِ کرم کا رہینِ منّت فرقہ

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی، مدرس مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی لکھتے ہیں ؛

"ہندوستان میں اس فرقے کا ظہور و وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشمِ التفات کا رہینِ منت ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز نے اپنے منحوس قدم جمائے، تو اُس نے مسلمانوں میں انتشار و خلفشار، اختلاف و افتراق اور تشتت و لامرکزیت

---

[1] محمد اشرف علی تھانوی ؛ افاضاتِ یومیہ ج ۱ ، ص ۳۰۹

[2] ایضاً ؛ ج ۲ ، ص ۳۲۲

[3] محمد سعید الرحمٰن علوی ؛ تقدیم اہل حدیث اور انگریز (ابوحنیفہ اکیڈمی فقیر والی) ص ۳

پیدا کرنے کے لیے "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے شاطرانہ اصول کے تحت یہاں کے باشندگان کو مذہبی آزادی دی، . . . . . کیونکہ وہ ابلیسِ سیاست تھا" بنا بریں وہ بخوبی جانتا تھا کہ مذہبی آزاد خیالی ہی تمام فتنوں کا منبع، مصدر اور سرچشمہ ہے، اس مذہبی آزادی کے نتیجہ میں فرقہ غیر مقلدین ظہور پذیر ہوا"[1]

آخر میں بطور خلاصہ لکھتے ہیں:

کیا وہ جماعت (جس کے بانی اور مؤسس ایسے گھناؤنے کردار اور گھٹیا ذہن کے مالک ہوں کہ جن کی ساری زندگی انگریز پرستی اور اسلام دشمنی میں گزری ہو، جن کی زندگی کا مشن اور نصب العین ہی انگریز کی وفاداری اور جاں نثاری ہو، جو انگریز سرکار کے مقاصد کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہوں) محبِ وطن اور ملک و ملت کی غم خوار اور بہی خواہ ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی جماعت صحیح اسلام کی علمبردار ہو سکتی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔

. . . . جب ان کے اکابر کے کردار کا یہ حال ہے، تو ان کے اصاغر کے کردار کا اندازہ، ناظرین کرام بخوبی لگا سکتے ہیں ع

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا[2]

بے ادب اور گستاخ

آزاد روی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس طبقے کا رجحان خطرناک حد تک گستاخی اور ب
کی طرف ہو گیا، علماء اہل سنت کے شدید محاسبے نے کسی حد تک روک تھام کی ورنہ سیلاب نہ جانے کہاں تک جا پہنچتا۔

---

[1] بشیر احمد قادری ؛ اہل حدیث اور انگریز ص

[2] ایضاً ، ص ۵ — ۱۰۴

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- "غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے دریافت کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔"[1]

اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ غیب کا علم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہے، معاذ اللہ! وہ غیب سے جاہل رہتا ہے، تاوقتیکہ اس کے جاننے کا ارادہ نہ کرے۔

- اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔"[2]

اس عبارت کو پڑھ کر بندۂ مومن کی روح تک کانپ اٹھتی ہے، "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا" میں تمام انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام سب ہی آگئے۔ ان کے بارے میں یہ ذلیل کلمات لکھنا کس قدر متعفن ذہنیت کا غماز ہے؟ کوئی عیسائی یہ کلمات لکھتا تو بات سمجھ میں آسکتی تھی، مگر حیف ہے کہ یہ کلمات ایک کلمہ پڑھنے والے نے لکھے ہیں۔

- شیخ اور ان کے امثال، خواہ وہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف ہمت کا لگا دینا، اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں غرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔[3] (ترجمہ)

ہمیں بحث و مناظرہ سے غرض نہیں ہے۔ اگر آپ کے سینے میں دل اور دل میں نورِ ایمان کی کوئی کرن موجود ہے تو انصاف و دیانت کے نام پر بتائیے کہ اس میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص ہے یا نہیں؟ اور کیا توحید کی تکمیل کے لیے تنقیصِ رسالت ضروری ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ایسی توحید شیطانی تو ہو سکتی ہے، رحمانی ہرگز نہیں! مولانا رومی اور مولانا جامی رحمہما اللہ تعالیٰ کی عظمت و ولایت کا ایک جہان معترف ہے،

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی ؛ تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۲۳

[2] ایضاً ، ص ۱۵

[3] ایضاً ، صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۸۶

مگر اہلِ حدیث انہیں کن القاب سے یاد کرتے ہیں ؟ مولوی نور محمد کی تصنیف شہبازِ شریعت کا مطالعہ کیجیے، وہ لکھتے ہیں :

ایہ جامی کتا سجو کیا اندر تحفے کفراں والے
جو جامی رُومی دے پچھلگ اوہ کافر سڑن منہ کلے
مثنوی رُومی دے وچہ جامی شارح چک چلایا
ہلکیاں کُتیاں والے چکوں رکھیں شرم خدایا[1]

یاد رہے کہ علامہ اقبال، پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں جابجا اُن کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں ؎

کشتۂ انداز مُلّا جامیم
نظم ونثر اُو علاج خامیم

اللہ تعالیٰ بزرگانِ دین کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھے۔

عامۃ المسلمین کو بات بات پر مشرک قرار دینا، تو اس قوم کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ذیل کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، کس بے دردی سے تمام اُمتِ مُسلمہ کو مشرک قرار دیا ہے اور غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو بھی اسی زمرے میں داخل کر دیا ہے۔ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"پھر اللہ ایک ایسی باو (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مر جائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں یعنی اللہ کی تعظیم، نہ رسول کی راہ پر چلنے کا شوق، بلکہ باپ دادوں کی رسموں کی سند پکڑنے لگیں گے اسی طرح سے شرک میں پڑ جائیں گے . . . . . اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے

---

[1] نور محمد، مولوی، شہبازِ شریعت (مطبع محمدی لاہور) ص ۱۳۲-۳

موافق ہوا۔"[1]

اِن چند حوالوں کے پیش کرنے کا مقصد اس ذہنیت کی نشان دہی کرنا ہے جو اہلِ حدیث کا امتیازی وصف ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے :

تحقیق الفتویٰ	علامہ فضلِ حق خیر آبادی
اطیب البیان	مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
الکوکبۃ الشہابیہ	امام احمد رضا بریلوی
مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی

تبدیلیٔ عنوان

سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ائمہ اربعہ کے طریقے پر چلنے کو غیر ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان چاروں مسالک سے جو کتاب وسنت کے قریب ہو اس پر عمل کر لیا جائے اور کسی در پیش مسئلہ میں کسی بھی امام کے قول پر عمل کر لینا چاہیے۔ کسی ایک معین امام کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اس فرقے کا نام سید صاحب کی نسبت سے "احمدی" رکھ گیا[2] سید صاحب کی وفات کے بعد ان کے معتقدین میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے افکار کے ساتھ ساتھ نئے نئے نام تجویز کرنا شروع کر دیئے۔ پہلے محمدی پھر موحد اور آخر میں اہلِ حدیث نام تجویز کیا۔ مولوی محمد شاہ جہانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں :

"اُن کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہلِ حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں اُن کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے

(الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۲)[3]

---

[1] محمد اسمٰعیل دہلوی، تقویۃ الایمان (دہلی) ص ۵۴

[2] محمد علی قصوری، مشاہداتِ کابل و یاغستان (انجمن ترقی اردو، کراچی) ص ۱۰۶

[3] بشیر احمد قادری، غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں ص ۱۷

غیر مقلدین کے مخالفین انہیں وہابی کے نام سے یاد کرتے تھے، حکومت کے کاغذا میں بھی یہی نام استعمال ہوتا تھا۔ غیر مقلدین کے مشہور راہنما مولوی محمد حسین بٹالوی نے باقاعدہ درخواست دے کر انگریزی حکومت سے اپنا نام "اہل حدیث" الاٹ کرایا اور حکوم کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو درخواست حکومت کو دی، اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

- لفظ وہابی ایسے دو بُرے معنوں میں مستعمل ہے جن سے گروہِ اہل حدیث کی برات و نفرت ثابت ہے۔ . . . . ہٰذا اہل حدیث اپنے حق میں اس لفظ کی استعمال جائز نہیں جانتے اور اس کو لائبل (مزیل حیثیت) لفظ خیال کرتے ہیں۔ جیساکہ مومن، لفظ کافر کو یا مسلمان، لفظ حلال خور کو۔
  اور اپنی مہربان گورنمنٹ اور خواص ملک سے وہ اصرار کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ سے اس گروہ کو مخاطب نہ کیا کریں۔
- یہ فرقہ گورنمنٹ کا دلی خیر خواہ، گورنمنٹ سے اس درخواست کرنے کی جرات کرتا ہے کہ گورنمنٹ اپنی خیر خواہ رعایا کی نسبت ایسے لفظ کا استعمال قطعاً ترک کرے۔

یہ درخواست ۱۹ جنوری ۱۸۸۷ء کو منظور ہوئی۔ بٹالوی صاحب نے اس کا تذکرہ تمام تر ممنونیت کے ساتھ کیا، لکھتے ہیں:

"اس درخواست کو ہمارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس ایچی سن صاحب بہادر بالقابہ نے معرضِ قبول میں جگہ دی اور بڑے زور کے ساتھ گورنمنٹ ہند کی خدمت میں اس کی قبولیت کے لیے سفارش کی۔

مسلمانوں کے حال پر رحم فرما و ہر دل عزیز وائسرائے و گورنر جنرل لارڈ

ڈفرن بالقابہ نے بھی سر چارلس ایچی سن صاحب بالقابہ کی رائے زریں سے اتفاق رائے ظاہر فرمایا اور سرکاری کاغذات میں اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم فرمایا۔"[1]

نام کی تبدیلی کا اہم فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

منجملہ ان نتائج کے جو ۱۸۸۶ء میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک عمدہ نتیجہ یہ ہے کہ اس رسالہ (اشاعۃ السنۃ) نے گروہِ اہل حدیث کی وفاداری گورنمنٹ پر ثابت کردی اور ان کے حق میں لفظ "وہابی" کا (جو ناواقفوں کے خیال میں ان کی وفاداری میں شبہ انداز تھا) استعمال حکماً موقوف کرادیا۔"[2]

اگست ۱۹۰۲ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی شملہ گئے، تو رپورٹ مردم شماری میں بعض جگہ اہل حدیث کے لیے لفظ وہابی لکھا ہوا دیکھا، چنانچہ انھوں نے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری پنجاب، ایچ۔ اے روز کو ایک درخواست دی، جس میں لکھا:

"ازراہِ مہربانی و انصاف پروری اس نِک نیم (بدنام) کو رپورٹ میں بدل دیا جائے۔ . . . . اس بُرے لقب کو اپنے حق میں کوئی اہل حدیث استعمال نہیں کرتا۔"[3]

ایچ اے روز نے یہ درخواست اپنے سفارشی ریمارک کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب کو بھیج دی، پھر بٹالوی صاحب لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ملے اور اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی۔

"جس پر ہمارے بیدار مغز جنزورس نامور لفٹیننٹ گورنر سر چارلس ریواز صاحب

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۷-۹

[2] ایضاً، ״ ״ ج ۱۰، شمارہ ۱، ص ۷

[3] ایضاً، ״ ״ ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۱

بہادر نے حکم صادر فرمایا کہ جن کاغذاتِ مردم شماری میں لفظِ "وہابی" لکھا گیا ان کو ردّی کر کے از سرِ نو کاغذات چھپائے جائیں۔" [1]

ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ۱۸۸۱ء کی مردم شماری رپورٹ میں اس فرقے کا اندراج "وہابی" کے تحت کیا ہے۔ [2]

لیکن بعد کی رپورٹوں میں ان کی درخواست پر ان کے فرقہ کو "اہل حدیث" کے حروفِ تہجی کے تحت لاتے ہیں۔

روز نے اس فرقہ کے عقائد کی تفصیلات تحریر کرتے ہوتے لکھا ہے :

"اس فرقے کے پیرو دیگر تمام مسلمانوں کو "مشرک" کہتے ہیں۔

They call the rest of the Muhammadans Mushrik [3]

ان تفصیلات سے اس فرقہ کی حکومت سے وفاداری، حکومت کی نگاہ میں قدر و منزلت اور بٹالوی صاحب کی شبانہ روز تگ و دَو کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مُستند خیر خواہ

نام کی اس تبدیلی کے فائدے پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے :

اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ پنجاب سے ایک سرکلر جاری

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲

bbetson, D.C. : Census Report for the Panjab, Lahore, 1882, pp. 147-48

ose, H. R : A Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab and North West Frontier Province, Lahore, 1978, Vol. II p. 8

کرا دیا کہ اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (مزیلِ حیثیت) ہے خود گورنمنٹ پنجاب اور اس کے اعلیٰ حکام نے اپنی چٹھیوں میں اعتراف کیا ہے کہ اہل حدیث برٹش گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں ہیں، بلکہ خیر خواہ ہیں۔" [1]

اہلِ حدیث —— اور انگریز

اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدین سیاستِ جدیدہ سے بخوبی واقف واقع ہوئے ہیں، زمانے کے نشیب و فراز اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے گُر سے واقف ہیں، چاہے اس کے لیے کیسے ہی جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنا پڑیں۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی خاندانِ ولی اللٰہی میں امتیازی شخصیت کے حامل تھے۔ علمی ماحول میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور مروّجہ علوم دینیہ حاصل کیے۔ گھڑ سواری اور تیراکی کے خاص طور پر شائق تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :

"اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوا دیا تھا۔" [2]

شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مزاج میں ابتدا ہی سے آزادروی پائی جاتی تھی دہلی میں جب انہوں نے اپنے حنفی آباء و اجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا، تو ان کے چچا شاہ عبدالقادر محدّث دہلوی نے انہیں کہلا بھیجا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا، انہوں نے جواب میں فوراً یہ حدیث پڑھ دی :

من تمسك بسُنتي عند فساد أُمتي فلهٗ اجر مائة شهيد

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنّت کو اپنائے اُس کے لیے سو شہید کا اجر ہے

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، جلد ۱۰، شمارہ ۱، ص ۱۰

[2] مرزا حیرت دہلوی، حیاتِ طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص ۶۱

اس پر شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے فرمایا:

"بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا، مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ سنّت کے مقابل خلافِ سنّت ہو اور مانحن فیہ (زیرِ بحث مسئلہ) میں سنّت کا مقابل خلافِ سنّت نہیں، بلکہ دوسری سنّت ہے، کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال بھی سُنّت ہے۔"[1]

اسی آزادروی کا نتیجہ تھا کہ تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی جس میں انبیاء و اولیاء کے حق میں ایسی زبان استعمال کی گئی جو قطعاً اُن کے شایانِ شان نہ تھی۔ عامۃ المسلمین کو بے دریغ مشرک اور اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ محمد اعظم بیگ لکھتے ہیں:

"اور انبیاء و اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا ہے جو خلافِ شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے، چنانچہ تقویۃ الایمان وغیرہ ان کے رسائل نظم و نثر میں بہت جگہ اشارہ اس طرف ہے اور بہت عقائد جو مختلف فیہ ہیں، ان پر بڑے شدّومد سے یہ لوگ عوام کو ایک طرف کھینچتے ہیں اور تقلیدِ حنفی کو پسند نہیں کرتے۔"[2]

اس تشدد کا خود انہیں بھی احساس تھا، چنانچہ ایک مجلس میں شاہ اسمٰعیل دہلوی نے کہا:

"میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی گو اس سے ورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔"[3]

---

[1] اشرف علی تھانوی، حکایاتِ اولیاء (دارالاشاعت کراچی) ص ۱-۱۲۰

[2] محمد اعظم بیگ، تواریخ ہزارہ (وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۷۰ء) ص ۲۷،

[3] اشرف علی تھانوی، حکایاتِ اولیاء ص ۴-۱۰۳

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت وہ شورش پیدا ہوئی جو کبھی ختم نہ ہوسکی اور مسلمانوں میں ایسی فرقہ وارانہ خلیج حائل ہوگئی کہ بعد میں اس کے پاٹنے کی کوئی سبیل پیدا نہ ہوسکی۔ انگریز کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیں اور کبھی متحد نہ ہونے دیں۔ شاطرِ فرنگی کی سیاست کی بنیاد ہی یہ ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو۔" اس مقصد کے لیے وہ لوگ قطعاً موزوں نہ تھے جو قدیم طریقوں پر سختی کے ساتھ قائم رہنے میں ہی اپنی بقا تصور کرتے ہوں۔

پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ شرکِ خفی کو شرکِ جلی قرار دینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہوگیا؟ یہ تو خود شارع بننے کے مترادف ہے۔

انگریزوں نے تقویۃ الایمان کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کا انگریزی ترجمہ کروا کر شائع کیا، ظاہر ہے کہ بلاوجہ اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ سر سید لکھتے ہیں:

"جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ان میں ساتویں کتاب "تقویۃ الایمان" ہے، چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ "رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ (جلد ۱۳، ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا۔"[1]

یہ انگریزی ترجمہ منشی شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ شہامت علی نے دہلی کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی اور مختلف اوقات میں انگریزوں کے ترجمان کے طور پر کام کرتا رہا۔ خاص طور پر اس نے سرسی۔ ایم ویڈ (Wade) کے ساتھ منشی کے طور پر کام کیا تھا۔[1]

سید احمد بریلوی ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں خاموشی پسند اور علم و تعلیم سے بے تعلق واقع ہوئے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

---

[1] ا: سید احمد خاں، سر: مقالاتِ سرسید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۷۸

ب: ایضاً، ج ۹، ص ۱۳۱

[2] منظور الحق صدیقی، پروفیسر: تاریخ حسن ابدال (ادارۂ تحقیقات پاکستان، لاہور) ص ۲۶،

”یہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سیّد بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجے کا غبی مشہور ہوگیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سود ہے، کبھی کچھ آئے جائے گا نہیں۔“ [1]

”قرآن پاک پڑھنے کے بعد کریما پڑھنے کی باری آئی تو حال یہ تھا کریما کا پہلا مصرع خاصہ دُعائیہ ہے، مگر یہ بھی بزرگ سیّد کو تین دن میں یاد ہوا تھا، اس پر بھی کبھی کریما کو بھول گئے، تو کبھی برحال ما کو دل سے محو کر دیا۔“ [2]

بیس سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس دہلی پہنچے اور دو سال اُن کے پاس رہے۔ ۲۳ سال کی عمر میں امیر خاں پنڈاری کے پاس مالوہ میں جاکر سواروں میں ملازم ہوگئے، پھر باڈی گارڈ افسر بنا دیئے گئے۔ اسی دوران انہوں نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا اور وہ یہ کہ امیر خاں جو انگریزوں سے برسرِ پیکار رہتا تھا، اس کی صُلح انگریز سے کروادی۔

”لارڈ ہیسٹنگ سیّد احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھ۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سیّد احمد صاحب — سیّد احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے بڑا نہیں ہے، تو تمہاری اولاد کے لیے سمِ قاتل کا اثر رکھتا ہے۔“ [3]

ایک عرصہ بعد امیر خاں کی ملازمت ترک کرکے پھر دہلی پہنچے۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی اور مولوی عبدالحی دہلوی ایسے علماء سیّد صاحب کی اقتدار میں دو رکعت نماز ادا کرکے اتنا متاثر

---

[1] مرزا حیرت دہلوی   حیاتِ طیبہ   ص ۴۸۵

[2] ایضاً،   ص ۴۸۶

[3] ایضاً،   ص ۵۱۳

ہوئے کہ حلقۂ بیعت میں داخل ہوگئے۔“ [1]

کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟

سیّد صاحب کی صوفیانہ وضع قطع اور شاہ اسمٰعیل کا علم اور زورِ خطابت جمع ہوئے تو ایک قیادت کا سامان فراہم ہوگیا۔ طے یہ پایا کہ جگہ جگہ وعظ کرکے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے چندہ اور افرادی قوت جمع کی جائے، چنانچہ اس پروگرام پر پورے زور و شور سے عمل کیا گیا۔ جہاد سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ حج کرلیا جائے۔ ۱۲۳۶ھ میں ایک قافلہ کے ہمراہ سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔ [2]

انگریزی قلمرو میں اس تمام کارروائی اور سفرِ حج کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

> ”اِن کو فضلِ رسول بدایونی نے وہابی اور سرکار کا دشمن بتلایا، حالانکہ وہ کلکتہ تک گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوجِ انگریزی کے ان کے مُرید ہوئے تھے، مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ (جہاد) ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے ان سے کچھ تعرض فرمایا، حالانکہ خاص کلکتہ سے ساتھ سو آدمی اپنے ہمراہ لے کر حج کو گئے اور مدت دراز تک ہزاروں مریدوں کو ہمراہ لے کر ہندوستان کے شہروں میں وعظ و نصیحت کرتے پھرے۔“ [3]

حج کے بعد زور شور سے سکھوں سے جہاد کے وعظ کہے گئے اور روانگی سے پہلے انگریزی حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی گئی۔

---

[1] محمد علی، سیّد،   مخزنِ احمدی (مطبع مفید عام، آگرہ)   ص ۳۵

[2] مرزا حیرت دہلوی،   حیاتِ طیبہ   ص ۵۱۸

[3] صدیق حسن خاں بھوپالی،   ترجمان وہابیہ   ص ۴۵

سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الٰہ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری امن میں خلل نہ پڑے، تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں[۱]

اس وقت تک پنجاب اور موجودہ سرحد پر انگریز کا تسلّط نہیں ہوا تھا۔ پنجاب سے ہری پور تک سکھوں کی حکومت تھی، ایسے میں سکھوں کے خلاف کارروائی کو انگریز ناپسندیدگی کی نگاہ سے کیوں دیکھتے ؟ اس طرح تو اُن کی راہ کا ایک سنگِ گراں خود بخود دُور ہو رہا تھا۔

سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں :

> "تحریکِ مجاہدین کا قیام پنجاب کی سکھ حکومت کے خاتمے کے لیے عمل میں لایا گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب بست وکشاد بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک سے ان کے دو مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ وادیٔ گنگ و جمن کی مسلم اشرافیہ کے ذہین نوجوان ترکِ وطن کر کے ان کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ پنجابی (سکھ) حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں، جس سے دونوں قوتیں کمزور ہو رہی ہیں۔"

ضیغم صاحب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف "برِصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ" ص ۲۶۸-۲۶۹ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں :

> "اسی بنا پر کمپنی کے زیرِ تسلط علاقوں میں سید احمد اور شاہ اسمٰعیل کو کئی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ انہیں نہ صرف ہر جگہ عوام سے خطاب کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ بلکہ ان کی تحریک کے لیے چندے کی فراہمی میں بھی انگریزوں نے تعاون

---

[۱] مرزا حیرت دہلوی، حیاتِ طیبہ ص ۵۲۳

> کیا۔ یہاں تک کہ ان مقامی ساہوکاروں پر انگلیسی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی اجازت بھی دے دی جو اس روپے کو مجاہدین تک پہنچانے میں کوتاہی برتتے تھے جو انہیں اس مقصد کے لیے دیا جاتا۔ علاوہ ازیں تیل کے کارخانوں اور دوسرے کاروباری اداروں کے مقامی مزدوروں کے جہاد میں حصّہ لینے کے لیے مختلف مراعات عطا کی گئیں۔"[۱]

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ تحریک انگریزی حکومت کے خلاف قطعاً نہ تھی، اس سے تو گورنمنٹ کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی تھی۔ سرحدی مسلمان اگر اس قسم کے خدشات کا اظہار کرتے تھے، تو ان کو بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا :

> "خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریز کے مشورہ سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے۔"[۲]

اس تحریک کے ہندوستان میں ردِ عمل کی بابت ۱۸۲۷ء میں میٹکاف نے گورنر جنرل کو جو رپورٹ پیش کی، اس میں لکھا ہے :

> "سیّد احمد، مولوی اسمٰعیل اور ان کے پیروکار ساتھیوں نے ہماری مسلمان رعایا کے قلب و ذہن پر ہمہ گیر تو نہیں، لیکن ایک وسیع اثرانگیزی ضرور مرتب کی ہے رنجیت سنگھ کے زیرِ عملداری علاقوں پر ان (مجاہدین) کی حالیہ یلغار نے دہلی کی مسلم آبادی کے دلوں میں ان کی کامیابی کے لیے مضطربانہ جذبات موجزن کر دیئے ہیں، چنانچہ عام لوگوں کی کثیر تعداد اپنے گھر بار چھوڑ کر لشکرِ مجاہدین میں جا شامل ہوئی ہے اور فوجی ملازمین مستعفی ہو کر ان سے جا ملے ہیں کہا جاتا ہے کہ شاہِ دہلی (بہادر شاہ ظفر) نے لوگوں میں اس جوش و جذبہ کے فروغ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔"

---

[۱] سبط الحسن ضیغم، سیّد! ماہنامہ المعارف، لاہور (فروری ۱۹۸۳ء) ص ۲۱

[۲] محمد اعظم بیگ، تواریخ ہزارہ (وکٹوریہ پریس، لاہور ۱۸۷۴ء) ص ۷۲۵

Metcalfe reported the repercussions in India to the governor general in the following words: "Syed Ahmed, Maulvi Ismail, and their colleagues have established a very extensive, if not universal, influence over the minds of our Mohammedan subjects. During the period of their recent attack on Ranjit Singh's territories, the most fervent anxiety for their success pervaded the Mohammedan population of Delhi. Numbers quitted their homes and marched to join them, including some who resigned their employments in the Company's service, both the military and the civil branches, for that purpose. It is said that the King of Delhi encouraged this spirit." (PC 38 of 22.6.1827.) [1]

اس تحریک کے بارے میں تحقیق و دیانت کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ انگریزوں کے خلاف ہرگز نہ تھی۔ اُردو ادب کے مشہور محقق اور سید صاحب کے عقیدت مند حافظ محمود شیرانی نے ہنٹر کے نقطۂ نظر کی مدلّل تردید ان الفاظ میں کی ہے:

"یہاں لفظ "باغی" پر میرا اعتراض ہے۔ سید صاحب (سید احمد) کے سرحد پہنچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کدھر بغاوت کی۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا، چونکہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی، اس لیے کمپنی نے دانستہ اغماض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی اس لیے سید صاحب کو ہنٹر کا باغی لکھنا، اس لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے"[2]

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

"یہ تمام بیّن ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا، سرکارِ انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی"[3]

---

[1] Khushwant Singh . History of the Sikhs, Delhi, Oxford University Press, 1977, Vol. I p. 272 F.n.

[2] مجلۂ تحقیق، حافظ محمود شیرانی نمبر (جلد ۳، شمارہ ۲ - ۳) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۴۸

[3] مرزا حیرت دہلوی، حیاتِ طیبہ ص ۵۲۳

سر سید لکھتے ہیں:

"جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔"[1]

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ کمپنی اس تحریک کو اپنے حق میں نہ صرف بے ضرر سمجھتی تھی، بلکہ اپنے مقاصد کے مطابق قرار دیتی تھی۔

کلکتہ میں جہاد کے موضوع پر تقریر ہو رہی تھی۔ سکھوں کے مظالم بیان کیے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ شاہ اسماعیل دہلوی نے جواب دیا:

"ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو اُن کی رعیّت ہیں۔ دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے ـــــ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"[2]

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شہید کا جہاد سکھوں سے تھا جو مسلمانوں کے مذہب سے تعرض کرتے تھے، نہ انگریزوں سے جن کو کسی مذہب سے

---

[1] سید احمد خاں، سر، مقالاتِ سرسیّد (مجلسِ ترقیٔ ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۴۲

[2] مرزا حیرت دہلوی، حیاتِ طیبہ (مطبع فاروقی، دہلی) ص ۲۹۴

نوٹ: حیاتِ طیبہ مطبوعہ لاہور میں اخفاءِ حقائق کے لیے یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے -

آخر ؏ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟ ۱۲ قادری

تعرض نہیں ہے، بلکہ انگریزوں سے جہاد کرنے کو وہ برملا ناجائز کہتے تھے۔"[1]

مشہور سکھ مؤرخ خوشونت سنگھ (Khushwant Singh) لکھتا ہے

The British government made no attempt to check this crusade against a state with which it had signed a treaty of friendship. [2]

برٹش سرکار نے جس (سکھ) ریاست کے ساتھ تحریری معاہدہ دوستی کیا تھا اس کے خلاف ہونے والے جہاد کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں کی۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

"جب سیّد صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سیّد صاحب کی مدد کی۔"[3]

گرداب حیرت

مولوی محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں، "مجاہدین" انگریزوں سے جہاد کرنے کو برملا ناجائز کہتے تھے۔" خوشونت سنگھ کہتا ہے: "برطانوی حکومت نے دوستوں کے خلاف مجاہدین کی کارروائی پر پابندی عائد نہ کی۔" مدنی صاحب کہتے ہیں کہ "انگریزوں نے جنگی سامان کے مہیا کرنے میں سیّد صاحب کی مدد کی۔" مقام حیرت ہے کہ آخری جنگ میں ایک انگریز —— الیگزینڈر گارڈنر بھی "مجاہدین" کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا اور صرف شریک ہی نہیں، بلکہ ایک دستے کا کمانڈر بھی تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے مجاہدین کو کس حد تک امداد فراہم کی تھی اور اس

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنّۃ، ج ۹، شمارہ ۲، ص ۲۹

[2] Khushwant Singh : History of the Sikhs, Delhi, 1977, Vol. I. p. 271.

[3] حسین احمد مدنی: نقش حیات (بیت التوحید، کراچی) ج ۲، ص ۱۹۰

پروپیگنڈے کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا اصل مقصد انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا گارڈنر، سیّد صاحب تک کس طرح پہنچا؟ اس کی تفصیل خود اُس نے بیان کی ہے:

"امیر (والیٔ کابل، دوست محمد خاں) نے مالِ غنیمت کو تو بخوشی منظور کیا، لیکن موٹے جھوٹے لباس والے اہل سیف کے لشکر کو (اپنی ملازمت میں) قبول نہ کیا، یہ لوگ اپنے برخود غلط اعتماد سے پشیمان اور پریشان ہو کر علاقہ جات باجوڑ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں انہیں میر عالم خاں نے اپنی ملازمت میں (سیّد احمد غازی کی امداد کے لیے) بھرتی کر لیا۔

سیّد صاحب اُس وقت سکھوں کے خلاف اپنی آخری لڑائی لڑ رہے تھے۔ مذکورہ لشکر کی نفری دو سو پچاس تک کیسے پہنچ گئی؟ یہ امر واضح نہیں ہوتا۔

جونہی گارڈنر، سیّد صاحب کی صف آرائی کے مقام پر پہنچا اُس نے ونتورہ کے ہاتھوں ان کی شکست و ہزیمت کا نظارہ کیا، چنانچہ طالع آزما (گارڈنر) نے کسی معرکہ کے بغیر لوٹ مار کے مال سے اپنا حصّہ وصول کیا اور اپنے (زیر کمان) فوجیوں کو برخاست کرتے ہوئے انہیں واپسی کا حکم دیا، اسے مالِ غنیمت کی یافت کن ذرائع سے اور کس طور ہوئی؟ یہ امر واضح نہیں۔

---

[1] جنرل وینٹورہ (Ventura) وہ پہلا غیر ملکی جنرل تھا جس نے رنجیت سنگھ کی فوج کو مغربی طرز پر تربیت دی، وہ ایک اطالوی تھا جو نپولین کی فوج میں جنرل رہ چکا تھا۔ وہ ۱۸۲۲ء میں لاہور پہنچا، اسے رنجیت سنگھ نے ملازم رکھ لیا، بہت بڑی تنخواہ اور جاگیریں دیں اور بڑی بڑی مہمات اس کے سپرد کی گئیں —— ۱۸۳۱-۳ء میں (مجاہدین کے خلاف) جو مہمات روانہ کی گئیں، یہ اُن میں بھی شریک تھا، پھر اسے لاہور کا قاضی اور گورنر بنا دیا گیا، ۱۸۵۸ء میں فوت ہوا۔

[2] Buckland, C. E. : Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975, pp. 435-6

اصل عبارت یہ ہے:

The Amir gracefully accepted the booty, but declined the swords of " the men in buckram," who, doubtlessly repenting of their misplaced confidence, drifted into the Bajour country, and accepted service with Mir Alam Khan, who hired the band, swollen in some unexplained manner to 250 men, to Syad Ahmad Ghazi, then making his last stand against the Sikhs Gardiner reached the Syad just in time to see him routed by Ventura, whereupon the adventurer retired, and sharing out the booty, dismissed his band. Where this booty came from is also unexplained

اس تحریک کا مطالعہ کرنے والا یہ معلوم کر کے حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ تحریک جو سکھوں کے خلاف تھی، اس کا ابتدائی تصادم مسلمانوں سے ہوا:

”سید صاحب نے پہلا جہاد مسمّٰی یار محمد خاں حاکمِ یاغستان سے کیا تھا[2] یہ ۱۸۳۰ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد پایندہ خاں کو دعوت دی کہ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لو، وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوا، تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس پر چڑھائی کر دی۔ پایندہ خاں جو تمام زندگی سکھوں کے خلاف برسرِ پیکار رہا، اُس نے وقتی طور پہ سکھوں سے صلح کر لی اور اپنا بیٹا جہاں داد خاں بہ طورِ ضمانت گروی رکھ کر دو پلٹن فوج حاصل کی...... اور مجاہدین سے اپنا علاقہ خالی کرا لیا، بعد میں سکھوں کے ساتھ پایندہ خاں کی جنگیں بدستور ہوتی رہیں۔[3]

---

[1] Grey : European Adventurers in Northern India, Lahore. 1929, pp. 274.

[2] عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحر العلوم، کراچی) ج ۲، ص ۲۷

[3] مراد علی، سید: تاریخ تناولیاں، تالیف ۱۸۷۵ء (مکتبہ قادریہ، لاہور) ص ۴۵-۴۹

الیگزنڈر گارڈنر، جو بعد میں پنجاب آرمی میں کرنل کے عہدے پر فائز ہوا اور مجاہدین کی معیت میں تھا، اس نے اس لڑائی کا چشم دید بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

”سیّد احمد اور مولوی عبدالحی[1] اپنے بقیۃ السیف ہندوستانی پیروکاروں کی ہمراہی میں سکھ فوج کے جنونی اکالیوں کا مقابلہ دست بدست جنگ میں نہایت بے جگری سے کر رہے تھے، انہیں اچانک یہ صورت پیش آئی کہ وہ اپنے لشکروں کی مجموعی قوّتِ بازو سے کٹ کر رہ گئے۔ سیّد صاحب کا بڑا لشکر جو ان سے فاصلے پر تھا، اپنے قائد کے بغیر کسی اچھی جنگی مہارت کا مظاہرہ نہ کر پایا، جونہی میری نظر سیّد احمد اور مولوی عبدالحی کی جانب اُٹھی، تو میں نے دیکھا کہ انہیں سینکڑوں ہتھیاروں سے چھید ڈالا گیا تھا۔ ان دونوں قائدین کے اردگرد جتنے لوگ تھے، ایک ایک کر کے قتل ہوتے (اور سیّد صاحب کی فوج کا بڑا حصہ اطراف و جوانب میں تتر بتر ہو گیا)

جس دم سیّد صاحب زخمی ہو کر گرے تو میرا ان سے صرف چند سو گز کا فاصلہ تھا، میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی فرشتہ نازل ہوا ہو اور موصوف کو بہشت کی طرف اُٹھا کر لے گیا ہو، اگرچہ ان کے بہت سے مریدوں نے بعد میں اپنی یادداشت سے یہ بیان کیا کہ انہوں نے حقیقتہً اس کا مشاہدہ کیا تھا۔“

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

Alexander Gardner, who later became a colonel in the Punjab army and was with the crusaders at the time, gave an account of this skirmish in the following words:

---

[1] اس وضاحت میں خوشونت سنگھ کو مغالطہ واقع ہوا ہے، مولوی سے گارڈنر کی مراد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی ہے۔ مولوی عبدالحی تو اس واقعہ سے پہلے ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۸ء کو فوت ہو گئے تھے (ملاحظہ ہو: ”حیاتِ سید احمد شہید“ محمد جعفر تھانیسری، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۷ – ۲۳۶)

'Syed Ahmed and the Maulvi (Abdul Haye), surrounded by his surviving Indian followers, were fighting desperately hand to hand with the equally fanatical Akalis of the Sikh army. They had been taken by surprise and isolated from the main body of the Syed's forces, which fought very badly without their leader. Even as I caught sight of the Syed and Maulvi they fell pierced by a hundred weapons. Those around them were slain to a man, and the main body dispersed in every direction. . . . I was literally within a few hundred yards of the Syed when he fell, but I did not see the angel descend and carry him off to paradise, although many of his followers remembered afterwards that they had seen it distinctly enough."

[1] *Memoirs of Alexander Gardner*, pp. 171-2 له

گارڈنر کون تھا؟

اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ایک مہم جُو تھا۔ امریکہ میں ۱۷۸۵ء میں ایک ڈاکٹر کے ہاں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۲ء میں مصر اور ایران ہوتا ہوا افغانستان پہنچا اور امیر دوست محمد خاں والیِ افغانستان کے بھتیجے امیر حبیب اللہ خاں کے ہاں ملازم ہوا، وہ چونکہ افغانستان کے سیاسی معاملات میں ملوّث تھا، اس لیے قندھار میں گرفتار ہوا اور نو ماہ قید رہا۔ وہ موجودہ صوبہ سرحد میں اُس وقت پہنچا جب "مجاہدین" سکھوں پر آخری حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، اُس نے اپنے آپ کو سید احمد بریلوی کے سامنے پیش کیا اور "مجاہدین" میں شامل ہو گیا۔ "مجاہدین" کی شکست کے بعد وہ رنجیت سنگھ کی فوج میں کرنل آف آرٹلری بنا دیا گیا۔ اُس نے رنجیت سنگھ کی موت ۱۸۳۹ء تک اُس کے لیے مہمات میں اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ والی جموں و کشمیر کا ملازم ہو گیا اور اپنی موت ۱۸۷۷ء تک اسی خدمت پر مامور رہا۔ وہ سیالکوٹ میں دفن کیا گیا

تفصیل کے لیے دیکھئے:

uckland, C. E. : Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975. p. 159

Khushwant Singh : Ranjit Singh, London, G. Allen, 1962. pp. 164-65.

Grey, C : European Adventurers of Northern India, ed. by Garrett, Lahore, 1929, p. 274, 265-291

Khushwant Singh . Ranjit Singh, London, 1962, p. 164-65

انوکھا معیارِ تحقیق

اس جماعت کے کارناموں کو منظرِ عام پر لانے میں مشہور مؤرخ غلام رسول مہر کا بڑا حصّہ ہے۔ انہوں نے تاریخ کی بنیاد حقائق پر رکھنے کی بجائے عقیدت پر رکھی ہے، خود اُن کا بیان ہے:

"میں مجاہدین کی شان و آبرو بہرحال قائم رکھنے کا قائل ہوں۔ اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات یا توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔" [1]

اب اگر کوئی شخص خالص تاریخی نکتۂ نگاہ سے حقائق سے آگاہی حاصل کرنا چاہے تو اُسے اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ عقیدے اور عقیدت کے بنیاد پر تاریخ لکھنے سے دلی اطمینان میسّر نہ ہو سکے گا۔

مقصدِ "جہاد"

کسی بھی کام کی خوبی یا خرابی میں اس کے مقصد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ سیّد صاحب کی تحریک کا تمام تر رُخ سکھوں کی طرف تھا یا سرحدی مسلمانوں کی طرف، انگریزوں کی طرف ہرگز نہ تھا جیسا کہ اس سے پہلے بحوالہ گزر چکا۔ اس تحریک کے مقصد کا ایک دوسرا پہلو بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

"سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہو گی؟ ——— اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل

---

[1] شیر محمد بیگ، ڈاکٹر: افاداتِ مہر (شیخ غلام علی لاہور) ص ۲-۲۳۱

ہوں گے۔ ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔" [1]

اس پر علامہ ارشد القادری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

"آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگریس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اُٹھا تھا۔" [2]

زلزلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ تجلّی، دیوبند نے علامہ ارشد القادری کے اس تبصرہ پہ داد دینے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا۔ وہ بطورِ اعترافِ حقیقت لکھتے ہیں:

"ہم کتنی ہی جانبداری سے کام لیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں لفظاً تلخی آگئی ہے، لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افترا ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استادِ محترم حضرت مدنی کے ارشادِ گرامی کو درست مان لیا جائے، تو حضرت اسمٰعیل کی شہادت محض افسانہ بن جاتی ہے — مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کی کوشش کے دوران مارا جانا اُس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجرِ آخرت کا موجب کیوں ہوگا؟" [3]

---

[1] حسین احمد مدنی؛ نقشِ حیات ج ۲، ص ۱۹۴

[2] ارشد القادری، علامہ؛ زلزلہ (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۱۰۰

[3] عامر عثمانی؛ (تبصرہ) زلزلہ ص ۱۸۷

یہ کسی بریلوی کے رشحاتِ قلم نہیں ہیں، جنہیں تعصب قرار دے کر رد کر دیا جائے، یہ ان کے ایک عقیدت مند کا اعتراف ہے، جو بے ساختہ صفحۂ قرطاس پر منتقل ہوگیا ہے۔

دراصل اختلافِ عقائد کے سبب، سید صاحب عامۃ المسلمین کو منافق قرار دیتے تھے اور ان کا خاتمہ بھی تحریک کے مقاصد میں اہم مقصد کی حیثیت رکھتا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ سرحد اور افغانستان کے مسلمان کٹر سُنّی حنفی تھے۔ ان کے بارے میں سید صاحب، رئیسِ قلات خان خانان خلجائی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"جنابِ والا! خود غزنین کے نواح میں منافقین پر چھاپے مارنا شروع کر دیں . . . . . اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد پہنچ جاؤں گا، اور اسی طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اس طرح مردود منافقین جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے۔" [1]

یہ کون سے لوگ ہیں جنہیں منافقین کہا جا رہا ہے اور جن کے استیصال کے لیے لمبے چوڑے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سرسید کی زبانی سنیے:

"مجھ کو صدہا پہاڑی لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، لیکن میری نظر سے آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گزرا جو سوائے حنفی مذہب کے اور کسی مذہب کا پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان رکھتا ہو۔" [2]

"تاریخ بنانے والے اہلِ قلم، سرحدی پٹھانوں کو غدار قرار دیتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ نظریاتی اور اعتقادی اختلاف کو برداشت کرنے کی بجائے جب تشدد کی راہ اختیار کی گئی، سیدھے سادے مسلمان پٹھانوں کو منافق قرار دیا گیا، ان کے خلاف میدانِ کارزار گرم کیا گیا،

---

[1] محمد جعفر تھانیسری: مکتوبات سید احمد شہید (نفیس اکیڈمی، کراچی) ص ۴۸

[2] سید احمد خاں، سر؛ مقالاتِ سرسید (مجلس ترقیِ ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۳۹

ان پر چھاپے مارے گئے، ان کی بیوہ خواتین سے زبردستی نکاح کیا گیا، تو ان سے خیر خواہی کی توقع کس طرح کی جاسکتی تھی؛ وہ بجا طور پر مجاہدین کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

> "ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کرلیں۔ اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں، زبردستی مسجد میں لے جاکر نکاح پڑھا جاتا۔ . . . . . ان پاکبانہ مجاہدین سے اگر کوئی ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا، تو ان کا یہ کام کہ رانڈ بیوہ کی عدت گزر جانے پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ اُن کی مرضی نہ بھی ہو، اُن کو بدنام کرنے کے لیے کافی تھا۔"[1]

پھر پٹھانوں پر اپنے مذہبی عقائد ٹھونسنے کی بھی کوشش کی گئی جس میں کامیابی نہ ہو سکی۔

> "پہاڑی قومیں ان کے عقائد کے مخالف تھیں، اس لیے وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ کر سکے کہ وہ ان کے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے۔"[2]

اس تشدد کا نتیجہ سوائے تباہی کے کچھ نہ نکلا؛

> "چونکہ یہ قوم مذہبی مخالفت میں نہایت سخت ہے، اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وہابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کرلیا اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور سید احمد صاحب کو شہید کر دیا۔"[3]

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا؛

۱- سید احمد شہید کی صحیح تصویر	وحید احمد مسعود بدایونی
۲- امتیازِ حق	راجا غلام محمد

---

[1] مرزا حیرت دہلوی؛ حیاتِ طیبہ (مطبوعہ لاہور)، ص ۳۵۵

[2] سید احمد خاں، سر؛ مقالاتِ سرسید، ج ۹، ص ۱۴۰-۱۳۹

[3] ایضاً ص ۱۴۰

۳- حقائقِ تحریکِ بالاکوٹ	شاہ حسین گردیزی
۴- تاریخ تناولیاں	سید مراد علی
۵- حقیقت افسانۂ جہاد	سید نور محمد قادری

واقعۂ بالاکوٹ کے بعد

اس واقعہ کے بعد "مجاہدین" کی قیادت صادق پور کے علماء کے ہاتھ آئی، مولوی عنایت علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راجہ گلاب سنگھ والیٔ کشمیر سے برسرِ پیکار رہے۔ ان کے بڑے بھائی اور سید صاحب کے خلیفہ مولوی ولایت علی اس علاقہ میں پہنچے، تو قیادت اُن کے سپرد کر دی گئی۔

ادھر ۱۸۴۹ء میں انگریزی تسلّط پنجاب کو لپیٹ میں لے کر صوبہ سرحد تک پہنچ چکا تھا، انگریز جو اس سے پہلے اس تحریک کے پنپنے کے مواقع فراہم کرتا رہا تھا۔ پنجاب سے سکھوں کا کانٹا نکل جانے پر اس نے مجاہدین کو مزید کارروائی سے منع کر دیا کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں؛

> "کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک مجاہدین سکھوں سے اُلجھے رہے، کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانب دار رہی" سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے" پر ترکوں نے نجد میں عمل کیا تھا، اُن کے اُستادوں نے اس فارمولے پر یہاں عمل کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکارِ عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا، لیکن جونہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے بُرا کوئی نہیں تھا۔"[1]

عبدالرحیم عظیم آبادی لکھتے ہیں؛

> "اس اثناء میں ملکِ پنجاب، گورنمنٹ برطانیہ کے تصرّف میں آگیا تھا، جب

---

[1] مسعود عالم ندوی؛ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۱۳

گلاب سنگھ کا اکثر ملک مجاہدین کے قبضے میں آگیا اور وہ تاب مقابلہ کی نہ لا سکا۔ مایوس ہو کر سرکارِ انگریزی سے اعانت کا خواہاں ہوا۔

اس وقت گورنمنٹ انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی علیہما الرحمۃ کے لکھا کہ گلاب سنگھ نے سرکارِ انگریزی سے معاہدہ کیا ہے اور بموجب اس معاہدہ کے اب وہ گورنمنٹ کی حمایت میں ہے۔ اب اس سے لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے، لہٰذا تم کو چاہیے کہ اب اس سے مت لڑو۔ . . .

تب بڑے حضرت (مولوی ولایت علی) نے اس ملک کو چھوڑ کر سوات کے ملک میں جانا چاہا۔[1] بالاکوٹ سے سوات جاتے ہوئے راستہ میں انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ اس کے بعد کی تفصیل مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی کی زبانی سنیے؛

"اس وقت مجاہدین و جملہ فوج لڑنے کو تیار تھی، مگر جناب مولانا (ولایت علی) نے اپنی عادل گورنمنٹ سے لڑنا مصلحت نہ سمجھ کر اطاعت افسرانِ انگریزی کر لی۔ ان افسروں نے مولانا کو بجائے جانے سوات کے مع لشکر طرف لاہور کے روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرات مع فوج و توپ خانہ وغیرہ سامان جنگ زیرِ نگرانی افواجِ انگریزی لاہور میں پہنچے۔ ان ایام میں جان لارنس صاحب بہادر چیف کمشنر پنجاب کے تھے، صاحب بہادر استقبال کر کے مولوی صاحب کو لاہور میں لائے اور بعد بہت گفتگو کے یہ بات قرار پائی کہ یہ دونوں حضرات مع ہندوستانی مجاہدین کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور کل اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی قیمت سے فوج کی بقایا تنخواہ دے کر برخاست کر دیں، اس وقت صرف پانچ سو مجاہدین آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ سر جان لارنس صاحب بہادر نے گورنمنٹ کی طرف سے مع کل مجاہدین کے آپ کی دعوت کی۔ دوسرے روز صاحب

---

[1] عبدالرحیم عظیم آبادی تذکرۂ صادقہ (ہادی المطابع، کلکتہ، بارِ اوّل) ص ۱۰۰ - ۹۹

ممدوح نے خود اپنے بنگلے سے دعوت دی۔ تیسرے روز مولوی رجب علی صاحب نے جو میر منشی کمشنری پنجاب کے تھے، دعوت کی۔

بعد اس کے یہ لوگ بہ اعزاز و اکرام تمام طیِّ مراحل کرتے ہوئے مع فوج مجاہدین پٹنہ پہنچے . . . . پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ و نصائح و مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف ہوتے[1]

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تحریک جو سرحد کے سکھوں اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف چلائی گئی تھی، اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی تھی۔

چند سال بعد مولوی ولایت علی اور عنایت علی وغیرہ اپنی جائدادیں فروخت کر کے ستھانہ (سرحد) چلے گئے اور وہیں گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔[2] ستھانہ اور سوات میں یہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے نام ہندوستان سے مالی امداد اور متعلقین کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ انگریز نے جب سرحد میں اپنا تسلط جمانا چاہا، تو اس امداد کے سلسلے کو سختی سے بند کر دیا، ممانعت کے باوجود جن لوگوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا، ان پر مقدمات چلائے گئے اور انہیں کڑی سزائیں دی گئیں۔ اس معاملہ میں صادق پور کے علماء سرِ فہرست تھے۔ یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ان حضرات نے انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا، اس لیے انہیں نشانہ ستم بننا پڑا۔

سید طفیل احمد منگلوری جو سید صاحب کی تحریک کے دل و جان سے مداح ہیں، لکھتے ہیں؛

"یہ معاملہ متعدد بار گورنمنٹ ہند کے علم میں مقامی حکّام کی طرف سے لایا گیا" جس پر کوئی باز پُرس نہ کی گئی اور صرف نگرانی کا حکم دیا گیا۔

مگر ۱۸۶۴ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی شروع کی تب اس

---

[1] عبدالرحیم عظیم آبادی؛ تذکرۂ صادقہ ص ۱۰۱—۱۰۰

[2] سید طفیل احمد منگلوری؛ مسلمانوں کا روشن مستقبل (مطبع علیمی دہلی ۱۹۴۵ء) ص ۲۲.

> امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان سے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دیئے جائیں، چنانچہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگانِ ہند پر یکے بعد دیگرے پانچ مقدماتِ بغاوت چلائے گئے۔ ان مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان پٹنہ کے خاندان کے لوگ اور ان کے مریدین و معتقدین تھے۔ مولوی ولایت علی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبداللہ اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ ان کے حقیقی چچا زاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخر الذکر کے حقیقی ماموں مولوی یحییٰ علی اور مولوی احمداللہ سب کے سب ۱۸۶۴ء میں اس جُرم میں ماخوذ ہوئے کہ انہوں نے اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھی اور اُنہیں مالی امداد بھیجی، حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۲۴ء سے جاری تھا جبکہ حکّام گورنمنٹ خود مجاہدین کی ہُنڈیوں کا روپیہ انہیں وصول کرا دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی یحییٰ علی پٹنہ کے بڑے رؤسا میں سے تھے اور اوّل الذکر (مولوی عبداللہ) گورنمنٹ کے مسلّم خیر خواہ تھے۔"[1]

۱۸۲۴ء اور اس کے بعد عرصہ تک سرمایہ کے سرحد منتقل کرنے پر انگریز نے کوئی پابندی نہ لگائی، بلکہ معاونت کی اور ۱۸۶۴ء کے بعد کیوں پابندی لگا دی؟ وجہ ظاہر ہے کہ انگریز کے مقاصد پورے ہو چکے تھے اور اب انگریز کی نظر میں ان لوگوں کے سرحد میں قیام کا کوئی جواز نہ تھا، لہٰذا اس نے ہندوستان سے سرحد آنے والی مالی امداد کا پوری سختی سے دروازہ بند کر دیا جس کے نتیجے میں سرحد میں جھڑپیں بھی ہوئیں۔

---

[1] طفیل احمد منگلوری، سیّد: مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۲۳

گورنمنٹ سے روابط

مولوی محمد حسین بٹالوی، ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ، اہل حدیث کے فاضل اور فعّال عالم اور اُن کے "شیخ الکل" میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے، انہوں نے اپنے فرقہ کا رابطہ عقیدت و وفاداری برٹش گورنمنٹ سے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

> "کسی قوم کی ترقی (جس میں مذہبی ترقی بھی شامل ہے) دنیاوی اسباب سے قطع تعلّق کرنے سے نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے اور موجودۃ الوقت سلطنت سے ارتباط اور اس کی پالیسی کی مراعاۃ اور اس کے حضور عقیدت و انقیاد اور ارکانِ سلطنت سے رابطۂ محبت و اتحاد، اسبابِ دنیاوی سے ایک عمدہ اور قوی التاثیر سبب ہے۔[1]
>
> یہ خیال کسی کو پیدا نہ ہوا کہ مذہب بلا استعانتِ اسبابِ حسنِ معاشرت چل نہیں سکتا اور سلطنتِ وقت کے حضور میں اظہارِ عقیدت اور ارکان سلطنت سے ارتباط و موانست، اسبابِ دنیاوی سے اعلیٰ سبب ہے۔ اسی بے خیالی میں وہ (اہل حدیث) اپنی مسجدوں میں صحیح بخاری کا درس کرتے رہے یا کسی حجرہ میں خلوت گزیں ہو کر یا حیّ یا قیّوم پڑھتے رہے اور کسی سے منجملہ اعیان ملک یا ارکانِ سلطنت ارتباط و اتحاد کا تعلق پیدا نہ کیا اور نہ کسی کے آگے اپنی عقیدت و اطاعتِ سلطنت کا اظہار کیا۔"[2]

بقول بٹالوی صاحب اسی طرزِ عمل کا نتیجہ تھا کہ مخالفین نے حکومت کو یہ تاثّر دینا

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۴

[2] ایضاً، ص ۱۹۵

شروع کر دیا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔

"ان کا اور ان کے حریفوں کا یہ حال دیکھ کر اس قوم کے خادم و وکیل ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کو یہ تعجب انگریز (انگیز) خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف یہی ایک فرقہ "اہل حدیث" ہے جو اس سلطنت کے زیرِ سایہ رہنے کو بلحاظِ امن و آزادی، اسلامی سلطنتوں کے زیرِ سایہ رہنے سے بھی بہتر جانتا ہے، کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں (اسلامی کیوں نہ ہو) پوری آزادی حاصل نہیں ہے۔"[1]

یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر بٹالوی صاحب نے جماعتِ اہل حدیث کا خصوصی رابط گورنمنٹ سے قائم کیا اور تمام وفاداریاں حکومت کو پیش کر دیں۔

"اُدھر اپنی مہربان گورنمنٹ سے ارتباط اور ارکان سلطنت سے رابطۂ ملاقات پیدا کیا، قوم (اہل حدیث) کے وفادارانہ و مطیعانہ خیالات کو گورنمنٹ تک پہنچایا اور گورنمنٹ کی نظرِ عنایت شاہانہ کو قوم کی طرف متوجہ کیا۔"[2]

پھر اپنی قوم کے تمام افراد اور طبقات کو پُرزور اپیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس تمہید کو پڑھ کر اُمید ہے ہمارے اخوان اہل حدیث، خصوصاً اُن کے اکابر و رہبر اس ضرورت کا بڑھ کر ہونا تسلیم کریں گے، بلکہ خود بھی "اشاعۃ السنۃ" کی تقلید اختیار کر کے جابجا اسی قسم کی کارروائیاں شروع کر دیں گے۔ واعظین و مدرسین اپنی مجالسِ وعظ و درس میں اور مصنفین اپنی کتب و رسائل میں اس قسم کے مضامین شائع کریں گے اور قولاً و عملاً گورنمنٹ پر اپنے سچّے اور وفادارانہ خیالات ظاہر کرنے میں سرگرمی سے کوشش کریں گے۔"[3]

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۵-۶

[2] ایضاً، ص ۱۹۶

[3] ایضاً، ص ۱۹۶

اس کارروائی کا ایک حصّہ، اہل حدیث نام الاٹ کرانے کی کوشش اور درخواست تھی (جس کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے) اس درخواست کی توثیق پورے ہندوستان کے اہل حدیث نے کی اور تین ہزار ایک سو چھتیس ٣١٣٦ اعیان و اشخاص نے دستخط کیے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بٹالوی صاحب کی کارروائی سے تمام اہل حدیث متفق تھے۔

ہدیۂ تشکر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواستوں اور پے در پے کوششوں سے انگریزی حکومت نے اس فرقہ کا نام اہل حدیث تسلیم کر لیا۔ اس احسانِ عظیم کا شکریہ دل و جان سے ادا کیا گیا اور ہدیۂ تشکر کے اظہار کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ فرقہ اہل حدیث گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہردلعزیز اور مسلمانوں کے خیرخواہ "وائسرائے لارڈ ڈفرن" اور اپنے پیارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر "سر چارلس ایچی سن" کا تہِ دل سے شکر گزار ہے اور بعوض و شکریہ اس احسان اور احساناتِ سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہلِ اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادیٔ مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہلِ اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اُٹھا رہا ہے) اہل حدیث لاہور نے جشنِ جوبلی کی تقریب پر کمال مسرّت ظاہر کی اور قیصرۂ ہند کی پنجاہ سالہ حکومت کی خوشی میں اہلِ اسلام کی مکلّف ضیافت کی جس میں رؤسا، شرفاء، علماء و عام اہلِ اسلام رونق افروز ہوئے۔[1]

تعداد اہل دعوت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکا، مگر ناظرین و حاضرین کے قیاس میں سات آٹھ ہزار اشخاص کا مجمع تھا۔"[2]

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۲۰۳

[2] ایضاً، ص ۲۰۴

۲ — اس دعوت میں گورنر پنجاب اور اس کے سیکریٹریوں سے بھی شمولیت کی درخواست کی گئی تھی۔ انھوں نے فرصت نہ ہونے کے سبب معذرت کردی، تاہم انہیں ہدیۂ نیاز پیش کرنے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا:

"اُس دعوت کے مقام (مولوی الٰہی بخش کی کوٹھی) کے عین دروازہ کے سامنے سے رات کے وقت ملاحظہ روشنی کے لیے نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر کا گزر کرنا مقرر تھا۔ اس جگہ اہل حدیث نے ایک بلند اور وسیع دروازہ بنایا جس پر سنہری حرفوں میں ایک طرف انگریزی میں یہ کلماتِ دعائیہ مرقوم تھے:

THE AHL-I-HADIS WISH EMPRESS ALONE LIFE

(اہل حدیث چاہتے ہیں کہ قیصرِ ہند لمبی عمر دراز ہو)

دوسری طرف لاجوردی رنگ سے یہ بیت اُردو ؎

دل سے ہے یہ دُعائے اہل حدیث
جشنِ جوبلی مبارک ہو

اس دروازہ سے لیفٹننٹ گورنر اور ان کے مصاحبوں اور رئیسوں کی سواریوں کا گزر ہوا تو سب کی نگاہیں ان کلماتِ دُعائیہ کی طرف (جو لیمپ جھاڑ اور مہتابیوں کی روشنی سے روزِ روشن کی طرح نمایاں تھی) لگی ہوئی تھی اور اکثر کی زبان سے کلمہ "اہل حدیث" جاری تھا۔[1]

۳ — اسی خوشی و مسرت و عقیدتِ سلطنت کے اظہار کے لیے اسی رات دس بجے اہلِ پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں کے ایڈریس مبارکباد پیش ہوئے۔ ان میں دسویں نمبر پر "اہل حدیث" کا ایڈریس جس کی نقل حاشیہ میں ہے، بذریعہ ڈیپوٹیشن پیش ہوا۔ اس ایڈریس پر مختلف اضلاع ہندوستان و پنجاب، بمبئی، مدراس و بنگال وغیرہ اعیانِ اہل حدیث کے دستخط ثبت تھے۔"[2]

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۵-۴: ۲

[2] ایضاً، ص ۶-۲۰۵

یہ سپاسنامہ بھی ملاحظہ ہو، اس کے ایک ایک حرف سے عقیدت و نیاز کے فوارے پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

ایڈریس گروہ مُسلمانانِ اہلِ حدیث
بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن
وقیصرۂ ہند بارک اللہ فی سلطنتہا

(۱) ہم ممبرانِ گروہِ اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمتِ عالی میں جشنِ جوبلی کی دلی مسرت سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

(۲) برٹش رعایائے ہند میں کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں مبارک تقریب کی مسرت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اُٹھتی ہوگی۔ مگر خاص کر فرقۂ اہلِ اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرماں روائی وقت کی عقیدت اس کا مقدّس مذہب سکھاتا ہے اور اس کو ایک فرضِ مذہبی قرار دیتا ہے۔ اس اظہارِ مسرت اور ادائے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی رعایا سے پیش قدم ہے۔ علی الخصوص گروہِ اہلِ حدیث من جملہ اہلِ اسلام اس اظہارِ مسرت و عقیدت اور دُعائے برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاجِ برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے ازاں جملہ ایک بے بہا نعمت مذہبی آزادی ہے یہ گروہ ایک خصوصیت کے ساتھ اپنا نصیبہ اُٹھا رہا ہے۔

(۳) وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ اُن کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور اُن کے دل سے مبارکباد

کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔

ہم بڑے جوش سے یہ دُعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور بڑھائے اور تا دیر حضور والا کی رعایا کا نگہبان رہے تاکہ حضور والا کی رعایا کے تمام لوگ حضور کی وسیع حکومت میں امن و تہذیب کی برکتوں سے فائدہ اُٹھائیں۔"[1]

۱۸۸۶ء میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا جشن پنجاہ سالہ (گولڈن جوبلی) سرکاری طور پر منایا گیا تھا جس میں جماعتِ اہل حدیث، لاہور نے مذکورہ بالا سپاسنامہ پیش کیا تھا۔[2]

۱۸۸۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اس ایڈریس کی منظوری کا پروانہ جاری کیا گیا جسے اشاعۃ السنۃ میں ان الفاظ میں شائع کیا گیا:

ملکہ معظمہ کی طرف سے اہل حدیث کو خطاب

ہم اس مژدہ کے سنانے سے بھی نہیں رہ سکتے کہ ہماری مہربان ملکہ معظمہ انگلینڈ و قیصرِ ہند نے اہل حدیث کے ایڈریس موقعہ جوبلی کو کمالِ مسرت کے ساتھ قبول فرمایا ہے اور از راہِ عنایتِ خسروانہ گروہ اہل حدیث کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اُس شکریہ میں اس گروہ کو اُسے اہل حدیث خطاب "اہل حدیث" سے مخاطب کیا گیا ہے جو ان کے کمال امتیاز و اعزاز کا موجب ہے۔ اس اعزازِ شاہانہ و اکرام خسروانہ ملکہ معظمہ قیصرِ ہند پر اہل حدیث ہند کمال ادب و انکسار کے ساتھ اپنی مہربان ایمپرس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اُن کی درازیٔ عمر و ترقیٔ توفیق و اقبال کے لیے دست بدعا ہیں۔"[3]

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، حاشیہ ص ۲۰۵-۶

[2] پیام شاہجہانپوری، پندرہ روزہ تقاضے، لاہور (۱۵ مارچ و یکم اپریل ۱۹۸۳ء) ص ۳۷

[3] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۶

اس کے بعد دو مکتوب پیش کیے گئے ہیں، جن میں ایڈریس کی قبولیت کا مژدہ سُنایا گیا ہے۔ ذیل میں ایک مکتوب کی نقل پیش کی جاتی ہے:

نمبر ۱۴۶۷ — ہوم ڈیپارٹمنٹ (پبلک)

از طرف: جے۔ پی ہیوٹ صاحب۔ انڈر سیکرٹری گورنمنٹ ہند

بنام: ممبرانِ اہل حدیث پنجاب

مقام شملہ ۱۱ر جون ۱۸۸۸ء

صاحبانِ شرفا! مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوتی ہے کہ صاحب سکرٹری آف اسسٹنٹ نے اطلاع دی ہے کہ ہر میجسٹی ملکہ معظمہ قیصر ہند نے بالطاف خسروانہ اُس ایڈریس وغیرہ کو قبول فرمایا ہے جو آپ صاحبان نے ہر میجسٹی کی خدمت میں جوبلی کے موقعہ پر پیش کیا تھا اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہر میجسٹی کا خاص شکریہ آپ لوگوں کو اس خیر خواہانہ نذرانہ کے لیے پہنچایا جائے۔

مجھے اے صاحبان آپ کا نہایت فرمانبردار ملازم ہونے کی عزت حاصل ہے

جے۔ پی۔ ہیوٹ

انڈر سکرٹری گورنمنٹ ہند[1]

ملکہ برطانیہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر اہل حدیث نے جس خوشامد اور اظہار عقیدت و وفاداری کا اظہار کیا، وہ صرف ظاہرداری کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ دلی جذبات کی ترجمانی تھا۔ نیز اس پر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوئی، بلکہ اس طرزِ عمل کے جواز پر انہوں نے شریعت کے حوالے سے دلائل بھی پیش کیے، محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"اُس مضمون میں دلائل کتاب و سنّت کا بیان دو غرض سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ گورنمنٹ کو یہ یقین ہو کہ اس موقع پر مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے، سچّے دل سے کیا ہے

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۷

اور اپنے مقدس مذہب کی ہدایت سے کیا ہے۔ صرف ظاہرداری اور جھوٹی خوشامد سے کام نہیں لیا۔

دوسری یہ کہ ناواقف مسلمانوں کو مسلمانوں کے اس فعل میں عدم جواز اور مخالفتِ شریعت کا وہم وگمان پیدا نہ ہو۔" [1]

مزید لکھتے ہیں ،

"پس واضح ہو کہ جو کچھ اس موقع پر اہل حدیث نے کیا ہے ، وہ امور ذیل ہیں ؛

(۱) ملکہ معظمہ کی تعظیم کرنا اور تعظیمی الفاظ سے اس کو یاد کرنا۔

(۲) ملکہ معظمہ کی حکومت پنجاہ سالہ پر خوشی کرنا اور اس خوشی میں مسلمانوں کو کھانا کھلانا۔

(۳) برٹش سلطنت کی اطاعت وعقیدت کو ظاہر کرنا اور اس کو فرضِ مذہبی بتانا۔

(۴) اس سلطنت کی برکات واحسانات (امن آزادی وغیرہ) کا معترف ہونا اور اس پر ملکہ معظمہ اور سلطنت کی تعریف کرنا اور شکر گزار ہونا۔

(۵) ملکہ معظمہ اور اس کی سلطنت کے لیے دعاءِ سلامت وحفاظت وبرکت کرنا وعلیٰ ہذا القیاس ان امور میں کوئی امر بھی ایسا نہیں ہے جس کے جواز پر شریعت کی شہادت پائی نہ جاتی ہو۔" [2]

لارڈ ڈفرن کے حضور

غالباً ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کے حضور، جماعتِ اہلِ حدیث نے اس کی وطن واپسی کے موقع پر ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامہ کیا ہے ؟ عقیدت و وفاداری کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے اور بقول بٹالوی صاحب ،

---

[1] محمد حسین بٹالوی ؛ اشاعۃ السنۃ ، ج ۹ ، شمارہ ۸ ، ص ۲۲۸

[2] ایضاً ، ص ۲۲۹

"ڈیپوٹیشن دُھوم دھام کا تھا" [1]

سپاسنامہ فارسی میں تھا ، اس کا ترجمہ مع تلخیص پیش کیا جاتا ہے ؛

حضور والا !

ہم فرقۂ اہل حدیث کے چند ارکان اور پنجاب اور ہندوستان کے دیگر اسلامی فرقوں کے چند اشخاص اپنی طرف سے اصالتاً اور اپنے دیگر ہم مشربوں کی طرف سے وکالتاً ، اس والا درجات کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اس ذات ستودہ صفات کی مفارقت پر اظہارِ غم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں ——

"خیر اندیشوں" اور "جاں نثاروں" کے مذہب کے مطابق کمال عجز و انکسار کے ساتھ عرضِ مدعا کی اجازت چاہتے ہیں — اس "کرم گستر" اور "عدل پرور" کے عہدِ سعادت مہد کی برکتیں اور احسانات ، بارانِ رحمت ، عمیم البرکت کی طرح اس اطاعت شعار علاقہ کے تمام لوگوں اور تمام قوموں پر برسے ہیں (جیسے مملکت میں قیامِ امن حدودِ سلطنت کا استحکام ، پبلک سروس کمیشن کا تقرر اور لیڈی ڈفرن فنڈ کی تجویز وغیرہ) ہندوستان کے مسلمانوں نے دوسری قوموں کی طرح اور ان کے برابر ان سے کافی ووافی حصہ حاصل کیا ہے۔ "حضور پُرنور" کے بعض انعامات اور احسانات ایسے ظاہر ہوتے ہیں جن سے استفادہ کرنے میں اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث خصوصاً سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقۂ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسان روا رکھا ہے ، وہ یہ ہے کہ ان کے حق میں لفظ وہابی کا استعمال سرکاری دفاتر میں ممنوع قرار دے دیا ہے جو ان کی دل آزاری کرتا تھا اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری جو نازک وقتوں میں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور سرکارِ والا کے نزدیک بھی مسلّم ہے ،

---

[1] محمد حسین بٹالوی ؛ اشاعۃ السنۃ ج ۱۱ ، شمارہ ۲ ، ص ۴۳

ناواقفوں کی نظر میں مشکوک بنا دیتا تھا، اس طرح بے خبروں کی بدگمانیوں کو ختم کر دیا۔

اہلِ اسلام عموماً اور اہل حدیث پر خصوصاً ان انعامات عامہ و خاصہ پر نظر کرتے ہوئے بہزار زبان سے اس والا دودمان کے احسان کا شکریۂ دل سے بجالاتے ہیں اور اس مظہرِ جود و احسان کی قبل از وقت مفارقت پر اشکِ حسرت بہاتے ہیں اور دلی رنج کو اس آرزو کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ کاش ہُما کا ہم پلّہ سایہ، مقرّرہ میعاد تک ان کے سروں پر پھیلا رہتا اور حکومت کی مدّت دوگنا ہو جاتی تاکہ فوائد و منافع، مسلمانوں کا نصیب ہو کر بارِ احسان ان کے کندھوں پر رکھ دیتے۔

آخر میں حضور موفور السرور کی ناگزیر مفارقت پر فراق گزیدہ بے چارے صبر و سکون کا دامن پکڑ کر اس دعائے خیر کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ خداوندِ عالم، ذات مکرمت صفات کو امن و عافیت کے ساتھ وطن مالوف تک پہنچاتے اور اس جگہ روز افزوں ترقّیٔ اقبال عطا فرما کر اہلِ اسلام کے فائدے اور بہتری کے لیے سرچشمہ بناتے۔

اور تاج و تخت برطانیہ جس کی نیابت کا شرف جناب والا کو حاصل ہے کو تمام ترقیام و استحکام عطا فرما کر ملک کے لیے موجبِ امن و برکت اور مسلمانوں کی حفاظت و حمایت کا باعث بناتے۔

ہم ہیں حضور کی وفادار اور جان نثار رعایا [۱]

اگر زحمت نہ ہو تو ایک دفعہ پھر اس سپاسنامے کو پڑھ لیجیے اور خیر اندیشوں اور جاں نثاروں کا حضور پُرنور، کرم گستر اور عدل پرور کی بارگاہ میں یہ فدویانہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے

---

[۱] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۱-۴۰

بعض انعامات وہ ہیں جن کے حصول میں اہل حدیث خصوصیت کے ساتھ سبقت لے گئے ہیں اور پھر نگاہِ حیرت سے یہ نظارہ بھی دیکھئے کہ ان کی جبین پر عرق انفعال نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی :

> "اور پھر مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق ماسوا اس کے کہ انہوں نے انگریز گورنر کے پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے، لوکل گورنمنٹ کے اجراء، چیفس کالج کے قائم کرنے، پبلک لائبریری کے بنانے اور طلبہ کو وظائف دینے پر اس کا شکریہ ادا کیا ہے اور کون سی چیز ہے جس پر انہیں مطعون کیا جا سکتا ہے۔" [۱]

اسے کہتے ہیں کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اگر بٹالوی صاحب کے سپاسنامے میں طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ انگریزی حکومت سے مربیے حاصل کرنے اور حرمتِ جہاد کا فتویٰ دینے اور خوشامدوں کے طومار کھڑے کر دینے میں بھی آپ کے نزدیک طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر کہہ دیجیے کہ دنیا میں کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے جس پر طعن کیا جا سکے۔

جان چھڑانے کا ایک تعجب خیز انداز بھی دیکھتے چلیے :

> رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا تو ہم اس سلسلہ میں متنبی قادیانی کی اُمت کی طرح کسی طرح کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا تو غلط کیا' ہم انہیں نہ معصوم سمجھتے ہیں اور نہ صاحبِ شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجّت و سند ہو قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر کسی گروہ کو مطعون کیا جا سکتا ہے۔" [۲]

---

[۱] ظہیر: مرزائیت اور اسلام ص ۲۳۳

[۲] ایضاً، ص ۲۳۳

مقامِ عبرت ہے کہ جب اس ایڈریس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کسی کو مطعون کیا جاسکے، تو اس برأت کی کیا ضرورت؟ پھر یہ معاملہ ایک فرد یا چند افراد کا نہیں ہے۔ اس سپاسنامے پر دستخط کرنے والے اس وقت کے اہلِ حدیث کے تمام بڑے بڑے ستون اور قائدین شامل ہیں اور حد یہ کہ "شیخ الکل" میاں نذیر حسین دہلوی کے دستخط سرِفہرست ہیں۔ انصاف و دیانت کا پتا اس وقت چلے گا، جب ان سب سے اظہارِ برأت کر دیا جائے گا، ورنہ گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس سپاسنامے پر دستخط کرنے والوں کے چند نام ملاحظہ ہوں:

مولوی سیّد محمد نذیر حسین دہلوی (شیخ الکل)
ابوسعید محمد حسین (بٹالوی)، وکیل اہل حدیث ہند
مولوی محمد یونس خاں، رئیس وتاولی، علی گڑھ
مولوی قطب الدین، پیشوائے اہل حدیث، روپڑ
مولوی محمد سعید، بنارس
مولوی الٰہی بخش پلیڈر، لاہور
مولوی سیّد نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس، وغیرہ وغیرہ [1]

اس سپاسنامہ کے جواب میں وائسرائے لارڈ ڈفرن نے جو کچھ کہا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> صاحبان! میں اس ایڈریس کے لیے جو ابھی آپ نے مجھے دیا ہے، آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے خیرخواہانہ اظہاراتِ عقیدت، نسبت برٹش گورنمنٹ کو سن کر خوش ہوتا ہوں اور میں خلوصِ دل سے امید کرتا ہوں کہ شمال مغربی سرحد کو استحکام دینے کی وجہ سے (جس میں آپ میں سے اکثر بوجہ اس کے کہ

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنّۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۱-۴۲

> سرحدی صوبہ کے باشندے ہیں، خاص دلچسپی رکھتے ہیں) جو امن اس وقت ہمیں حاصل ہے، قائم رہے گا۔" [1]

لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایچی سن کے حضور

۲۴ مارچ ۱۸۸۷ء کو گورنر پنجاب کی رخصت پر اہل حدیث نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں اظہارِ عقیدت و وفاداری کا وہی والہانہ انداز ہے جو لارڈ ڈفرن کے سپاسنامہ میں ہے۔ اس سپاسنامہ کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے:

ایڈریس منجانب فرقہ اہل حدیث و ممبران دیگر فرقہا اہلِ اسلام
بحضور سر چارلس امفرسٹن ایچیسن صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی
سی۔ آئی۔ ای۔ ایل ایل۔ ڈی لیفٹیننٹ گورنر پنجاب وغیرہ

> ہم ممبران فرقہ اہل حدیث و دیگر فرقہائے اہلِ اسلام حضور والا کی عالی خدمت میں اس موقعہ پر (جب کہ حضور اس صوبہ سے مرخص ہوتے ہیں) کمال ادب و اخلاص کے ساتھ حضور والا کے خسروانہ احسانات و مربیانہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے اور حضور کی مفارقت پر دلی افسوس ظاہر کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔
>
> حضور والا کے شاہانہ عنایات و مربیانہ توجہات ابتدا رونق افروزی ہندوستان سے اس عہدِ گورنری تک اس ملک ہندوستان پر اس کثرت و تواتر سے مبذول رہی ہیں کہ اگر ان کو متواتر بارانِ رحمت یا موجزن دریا موہبت کہا جائے تو بیجا نہیں ہے

آخر میں لکھتے ہیں:

> خاتمہ میں ان کلماتِ دُعائیہ کی عرض پر اکتفا کرتے ہیں کہ خداوندِ عالم

---

[1] محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنّۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۳

حضور فیض گنجور کو صحت و سلامتی کے ساتھ وطن مالوف میں پہنچائے اور پھر بہت جلد حضور کو عہدۂ گورنر جنرل پر مامور و معزز فرما کر ہندوستان میں لاوے اور ہماری آنکھوں کو دوبارہ حضور کے دیدار فیض آثار سے منور کرے۔ آمین ثم آمین

؎ بوطن رفتنت مبارکباد　　بسلامت روی و باز آئی[1]

دربار دہلی میں ارمغانِ عقیدت

اہل حدیث کی تاریخ یہ رہی ہے کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی خوشامد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں؛

"خاکسار نے بمشورہ لبعض اعیان اہل حدیث پنجاب و بنگال گورنمنٹ پنجاب سے اس مضمون کی درخواست کی کہ ہر چند مختلف اضلاع اور شہروں کے تمام جلسوں میں، جن میں اہلِ اسلام ہندوستان نے بتقریب تاجپوشی ہز میجسٹی کنگ امپرر مسرت کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانانِ اہل حدیث بھی شامل رہے ہیں، مگر خاص موقع دربارِ دہلی میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ اظہار مسرت چاہتے ہیں . . .

اس درخواست کے جواب میں سکرٹری گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے یادداشت نمبری ۶۳۹ دفتر اشاعۃ السنۃ میں موصول ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

تخت نشینی ہز میجسٹی کنگ امپرر کی تقریب پر ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ایڈریس مبارک باد پیش کرنے کا کئی دفعہ موقع دیا گیا ہے، لہٰذا گورنمنٹ ہند کی تجویز نہیں ہے کہ اب دربار دہلی میں کوئی ڈیپوٹیشن ایڈریس پیش کرے۔ ہاں فرقہ اہلحدیث معمولی طور پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کرے تو گورنمنٹ ہند کو اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہو گا۔"[2]

---

[1] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۱-۵۴

[2] ایضاً؛ اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۴

کوئی وجہ نہ تھی کہ خصوصی طور پر ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی اجازت نہ دی جاتی کیوں کہ حکومتِ برطانیہ کو یہ جاں نثاری اور وفاداری کسی دوسرے فرقہ سے نہیں ملی تھی۔

الاقتصاد فی مسائل الجھاد

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کے وکیل اور سرکردہ علماء میں سے تھے۔، ارمحرم ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹-۲۰ء کو فوت ہوئے۔

حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں؛

الشیخ الفاضل ابوسعید محمّد حسین بن رحیم بخش بن ذوق محمّد الھندی البطالوی احد کبار العلماء[1]

گزشتہ صفحات میں انگریزی حکومت سے روابط کا تذکرہ زیادہ تر ان ہی کے حوالہ سے کیا گیا ہے اور ان معاملات میں زیادہ تر وہی پیش پیش رہے ہیں۔

۱۸۷۶ء میں انہوں نے ایک رسالہ الاقتصاد لکھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان تو ہندوستان دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں۔

"۱۸۷۶ء میں ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد تالیف کر چکا ہے جس میں قرآن و حدیث اور فقہی دلائل سے ثابت و مدلل ہے کہ اس گورنمنٹ سے مسلمانوں کا ہند کے ہوں خواہ روم یا عرب کے مذہبی جہاد جائز نہیں اور اسی سال پنجاب کے عام اہل حدیث نے بذریعہ ایک عرضداشت اپنی عقیدت اطاعت گورنمنٹ کا اظہار کیا تھا جس پر گورنمنٹ کی طرف سے اس کی تائید و تصدیق میں ایک سرکلر جاری ہوا تھا جو "اشاعۃ السنۃ" نمبر ۹، جلد ۸ میں منقول ہو چکا ہے۔"[2]

---

[1] عبدالحی لکھنوی، مورخ؛ نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۲۷

[2] محمد حسین بٹالوی؛ اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۱، ص ۲۶

ہندوستان دارالاسلام ہے

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں ؛

"جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو، وہ شہر یا ملک دار الحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوامِ غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پالیا ہو، (جیساکہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی رہے، وہ بحکم حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے"[1]

دُنیا کا کوئی مسلمان بادشاہ گورنمنٹ سے جہاد نہیں کرسکتا۔

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں ؛

"اُس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملکِ ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے، دارالاسلام ہے، اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا، مہدی سودان ہو یا خود حضرت سلطان (ترکی کا بادشاہ) شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان، مذہبی لڑائی وچڑھائی کرنا جائز نہیں ہے"[2]

جہاد کہیں بھی نہیں ہوسکتا

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

"اُن دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت نہ کوئی مسلمانوں کا امام موصوف بصفات و

---

[1] محمد حسین بٹالوی : الاقتصاد (وکٹوریہ پریس) ص ۱۹

[2] ایضاً ، ص ۲۵

شرائط امامت موجود ہے اور نہ اُن کو ایسی شوکت وجمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی اُمید کرسکیں۔

ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت رُوئے زمین پر امام کہاں ہیں جس کی پناہ میں اور اُس کے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کرسکیں اور ایسی جمعیت وشوکت کس کو میسّر ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی اُمید رکھیں"[1]

بعض لوگ جب تسلیم سے راہِ فرار اختیار نہیں کرسکتے، تو یہ عذر تراشتے ہیں کہ اس قسم کی کاروائیوں کی ذمہ داری بٹالوی صاحب یا چند دیگر افراد کے سر ہے[2]، حالانکہ بٹالوی صاحب نے رسالہ الاقتصاد پر پورے ملک کے سینکڑوں علماء سے تصدیق حاصل کی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں ؛

"یہ رسالہ میں نے سنہ ۱۸۶۷ء میں تالیف کیا اور اس میں علماء اسلام کی رائیں لینے اور اُن کا توافق رائے حاصل کرنے کے لیے لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہ ہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سنا کر ان کا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلادِ ہندوستان و پنجاب میں (جہاں راقم خود نہیں جاسکا) اس رسالہ کی متعدد کاپیاں بھجوا کر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا۔ پھر سنہ ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو بہ ضمن ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ "اشاعۃ السنۃ" بعنوان استشہاد عام لوگوں میں شائع کیا اور اس میں عام اہلِ اسلام کو ان مسائل میں اپنی آراء ظاہر کرنے کا موقع دیا جس پر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے

---

[1] محمد حسین بٹالوی : الاقتصاد ص ۷۲

[2] ظہیر : مرزائیت اور اسلام (ادارہ ترجمان السنۃ لاہور) ص ۲۳۳

(جہاں وہ ضمیمہ پہنچا) صد ہا عوام و خواص نے اُن مسائل کی نسبت اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔"[1]

صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کے مندرجات تمام اہل حدیث کے اتفاقی تھے، بٹالوی صاحب کے انفرادی نظریات نہ تھے۔

قصور میں اہل حدیث کے سرکردہ علماء میں مولوی غلام علی قصوری ثم امرتسری اور مولوی مرزا فتح محمد بیگ تھے۔ وہ دونوں بٹالوی صاحب سے بھی پہلے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے۔ اس وقت ہمارے سامنے مرزا فتح محمد بیگ کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہانہ رسالہ انجمن مفید عام قصور کا ایک شمارہ ہے جس میں مرزائے موصوف کے رسالۂ جہاد پر ریویو (تبصرہ) ایک معاصر اخبار سے نقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

"مرزا صاحب (فتح محمد بیگ) نے جملہ ساکنان پنجاب کی نسبت اعلیٰ حکام کے سامنے بارہا ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کے سب بمقابلہ گورنمنٹ جہاد کو حرام خیال کرتے ہیں۔"[2]

علاوہ بریں اور بہت سے علماء دین نے جو اس مسئلہ کی بابت بہت کچھ لکھا اور کہا ہے ان کا کیا نقصان ہوا؟ جیسا کہ جناب مولانا حضرت مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر نجم الہند نے ایک رسالہ ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں لکھا اور مولوی غلام علی صاحب امرتسری ایک مدت سے اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں، صاحب آخر الذکر خاص کر کے اُس وقت بھی جہاد کو مخالف گورنمنٹ انگریزی ایسا ہی ناجائز اور حرام کہتے تھے، جبکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس مسئلہ میں اُن کے برخلاف تھے۔"[3]

---

[1] محمد حسین بٹالوی؛ الاقتصاد ص ۳ — ۲

[2] رسالہ انجمن مفید عام قصور، شمارہ فروری ۱۸۸۰ء ص ۲۲

[3] ایضاً، ص ۴ — ۲۳

بٹالوی صاحب تو زبانِ حال سے یہ کہتے ہوں گے ع

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ محوِ حیرت ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے:

"اور اس دور میں جبکہ ہندوستان کے خائن اور غدار، انگریزوں کی حمایت میں جہاد کو ناجائز قرار دے رہے تھے اور ہندوستان کو دار الاسلام بتا رہے تھے۔ اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے اور پورا ہند ان کے جہاد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔[1]

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تقریر کا ایک اقتباس اس سے پہلے گزر چکا ہے اس موقع کی مناسبت سے دوبارہ نقل کر دینا مناسب رہے گا۔

"اُن پر (انگریز کے خلاف) جہاد کسی طرح واجب نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"[2]

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ "اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے" انہوں نے یہ نہیں کہا کہ انگریز کے خلاف جہاد کا درس دیا جا رہا تھا یا جہاد کیا جا رہا تھا اور حقائق و شواہد بھی یہ گواہی دے رہے ہیں کہ دہلوی سے لے کر بٹالوی تک انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام قرار دیتے تھے، ان کا جہاد سرحد کے حنفی مسلمانوں کے خلاف تھا یا سکھوں کے خلاف جو انگریزوں کے لیے مستقل درد سر کی حیثیت رکھتے تھے۔

---

[1] ظہیر؛ مرزائیت اور اسلام ص ۲۱۵

[2] مرزا حیرت دہلوی حیاتِ طیبہ (مطبع فاروقی، دہلی) ص ۲۹۴

امام احمد رضا بریلوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان میں جہاد کی شرطیں موجود نہیں، اس لیے مسلمانوں پر جہاد واجب نہیں، اس پر انتہائی تند و تیز فتوے صادر کیے جاتے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہو:

> "کسی انصاف پسند کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس بات سے اختلاف کرے کہ بریلوی اور بریلویت کا تمام وزن، غاصب انگریزی استعمار کے پلڑے میں تھا، اگرچہ انہیں انگریز کا ملازم، جاسوس اور تنخواہ دار تسلیم نہ کرے، کیونکہ انہوں نے جہاد اور مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا اور انگریزی استعمار کے خلاف ترکِ موالات کی تحریک کی مخالفت کی، بلکہ لوگوں کو انگریزوں کی دوستی اور موالات کا حکم دیا۔"[1]

ترکِ موالات کے مسئلہ میں امام احمد رضا بریلوی کا موقف کیا تھا؟ اس وقت زیرِ بحث نہیں، اس کے لیے پیشِ نظر کتاب کے دیگر اوراق کا مطالعہ کیجیے۔ اس وقت تو صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ تمام امور بلکہ اس سے کہیں زیادہ بٹالوی صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث میں پائے جاتے ہیں، انہیں کن خطابات سے نوازا جائے گا؟

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں،

> "مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار اور بحکمِ قرآن و حدیث وہ مفسد و باغی، بدکردار تھے، اکثر ان میں عوام کالانعام تھے۔ بعض جو خواص و علماء کہلاتے تھے، وہ بھی اصل علومِ دین (قرآن و حدیث) بے بہرہ تھے یا نافہم و بے سمجھ، باخبر و سمجھ دار علماء (اہل حدیث) اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس غدر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔

---

[1] ظہیر: البریلویۃ ص ۴۴

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو حدیث و قرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن و عہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔ اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے، کسی کو اُونچی اذان نہیں کہنے دیتے تھے) لڑے۔"[1]

جہاد حرام

دربھنگہ کے ایک اہل حدیث لکھتے ہیں،

> "حکام نے مولوی محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ تمہارے مذہب میں سرکار سے جہاد درست ہے یا نہیں؟ تب انہوں نے ایک کتاب لکھی اور بہت علماء سے دستخط کرا کے بھیجی کہ ہم لوگ اہل حدیث کے مذہب میں بادشاہ سے جس کے امن میں رہتے ہیں، جہاد حرام ہے۔"[2]

الاقتصاد کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والے جریدہ اشاعۃ السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں کہ فرقۂ اہل حدیث نے گورنمنٹ کے حضور کس کس طرح اپنی وفاداری کے ثبوت فراہم کیے ہیں،

> "اشاعۃ السنۃ نے گورنمنٹ میں اہل حدیث کی وقعت کو جما دیا اور ان کی وفاداری کا ثبوت دے کر داغِ بغاوت جو در اصل اُن کے دشمنوں کا اختراع تھا، مٹا دیا۔"[3]

---

[1] محمد حسین بٹالوی، الاقتصاد ص ۵۰-۴۹

[2] محمد حسین بٹالوی، اشاعۃ السنۃ، ج ۱، شمارہ ۲، ص ۳۶

[3] ایضاً، ص ۴۰

سرٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

۳۱؍ مارچ ۱۸۸۷ء کے سرٹیفکیٹ میں سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر سابق نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب لکھتے ہیں :

"ابوسعید محمد حسین فرقۂ اہل حدیث کے ایک سرگرم رُکن مولوی اور فرقۂ اسلام کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں، ان کی علمی کوششیں لیاقت سے ممتاز ہیں، وہ نیز ملکۂ معظمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں" [1]

اگر کوئی محقق "انگریز اور اہل حدیث کی وفاداری" کے عنوان پر اشاعۃ السنّۃ کی بنیاد پر تحقیقی مقالہ لکھنا چاہیے تو ضخیم مقالہ لکھ سکتا ہے اور اگر اس موضوع پر اس رسالہ کے متعلقہ صفحات کے عکس ہی جمع کر دیئے جائیں، تو اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مولوی محمد یونس خاں اہل حدیث، رئیس دتاؤلی، علی گڑھ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کی حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا، اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں :

رفتارِ زمانہ سے واقف

"حقیقت میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اہل حدیث کے فرقہ میں پہلے وہ شخص ہیں جو زمانہ کی رفتار سے واقف ہوئے ہیں اور ٹھیٹھ اسلام کی رُو سے ہمارے اور گورنمنٹ ملکہ معظّمہ کے تعلّقات کو سمجھے ہیں اور اُن کو ظاہر کیا ہے

. . . . جب کہ تمام ملکوں اور تمام مذاہب کی رعایا حضور ملکہ معظّمہ کی پنجاہ سالہ جشن میں اظہارِ مسرّت کر رہے ہیں۔ کیا صرف فرقہ اہل حدیث ہی ایسا ناسپاس اور خیرہ ہو جاوے کہ اظہارِ خوشی سے سکوت اختیار کرے۔" [2]

---

[1] محمد حسین دہلوی، اشاعۃ السنّۃ، ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۱۴

[2] محمد یونس، اہل حدیث، اشاعۃ السنّۃ، ج ۱۰، شمارہ اوّل، ص ۲۲

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں :

"اس کارروائی کے پہلوؤں کو وہی لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں جو پولیٹیکل امور کے سمجھنے کا دماغ رکھتے ہیں" [1]

خوفناک انگریزی مظالم

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں :

"انگریزی استعمار نے ہندوستان سے مسلمانوں کا بساطِ حکومت لپیٹ دیا اور ۱۸۵۷ء میں ان کے خون بہائے، ان کی شوکت کو توڑا، ان کی قوت کو کمزور کیا، ان کے علماء کو پھانسیوں پر چڑھایا، ان کے قائدین اور زعماء کو جلا وطن کیا۔" [2]

اس میں شک نہیں کہ انگریز کے مظالم نے ہلاکو اور چنگیز کی رُوحوں کو شرما دیا، لیکن علمائے اہل حدیث، ملکہ وکٹوریہ کو مادرِ مہربان قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی شفیق ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی ہے، تو اس نتیجہ میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نہ تو جنگِ آزادی میں حصّہ لیا تھا اور نہ ہی موردِ عتاب بنے۔ انہوں نے تو اپنے دلی جذبات عقیدت سے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔

مادرِ مہربان

مولوی محمد یونس اہل حدیث رئیس دتاؤلی لکھتے ہیں :

"ہم اپنی ملکہ مادرِ مہربان کی خوشی کے کیونکر ساتھ نہ ہوں؟ کون ملکہ؟ جس نے ہماری شوخ چشمیوں اور خیرہ سریوں کو بالکل اپنے دل سے فراموش کر کے قدر

---

[1] محمد حسین بٹالوی، حاشیہ اشاعۃ السنّۃ، ج ۱۰، شمارہ اوّل، ص ۱۱

[2] ظہیر، البریلویۃ ص ۳۶

۵۷ء کے بعد پھر ہم کو خطِ آزادی دیا اور جس نے اپنی ایک نگاہِ عنایت اور ایک دستخطی فرمان سے ہمارے خونوں کو معاف کیا، ہماری جائدادیں واپس کیں۔" [1]

ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی ہے

"جب ایسی شفیق ملکہ پروردگار نے ہماری خوش قسمتی سے ہماری سلطنت کے واسطے بنائی ہے تو بتائیے کہ عقلاً و عرفاً و شرعاً کیونکر ہم اس کی خوشی کو اپنی خوشی نہ سمجھیں؟ اس کے رنج کو اپنا رنج تصور نہ کریں، اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہم پر نفرین ہے۔" [2]

ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے

"اگر آپ کے دست و بازو میں قوت ہو جہاد کیجیے، مگر یاد رکھیے کہ ایسے صاحب کا ساتھ دو ایک خارج از عقل ہی دیں گے اور میں اور میرے ساتھی تو ڈنکہ کی چوٹ سے بادشاہِ وقت کا ساتھ دیں گے۔" [3]

ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعث فخر

اور سچ یہ ہے کہ اپنی ملکہ کی خیر خواہی کے واسطے جس کی سلطنت میں لکھو کھا فوائد ہم کو حاصل ہوتے ہیں، اپنی جان کھو دینے یا بدخواہ کی جان لینے کو اپنا فخر

---

[1] محمد یونس، اہل حدیث، اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اوّل، ص ۲۴

[2] ایضاً، ص ۳۱

[3] ایضاً، ص ۲۲

سمجھتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے

"وہ لوگ اگرچہ ہمارے بزرگ یا قرابتی ہوں، بے وقوف اور نادان تھے، جنہوں نے ۵۷ء کے غدر کو برپا کیا تھا، اصل بات یہ ہے کہ وہ ہماری طرح اس سلطنت کے فوائد سے واقف نہ تھے۔" [1]

برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے

"بہتر ہے وہ صاحب افغانستان میں سنت کی پیروی کا وعظ کہیں یا مکہ معظمہ میں حدود شرعی کو جاری کریں یا بخارا میں جو ایک مسلمانی ریاست روس کے ماتحت ہے، اپنے کو غیر مقلد ظاہر کریں۔ حضرت اس صورت میں یا تو آپ کا ہاتھ یا کان یا ناک نہ ہوگا یا آپ خود نہ ہوں گے۔ برٹش گورنمنٹ ہی میں آپ کی ترقی چلتی ہے اور جگہ کیا مجال جو آپ اپنی زبان تک ہلا سکیں۔" [2]

مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا

ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین، اہل حدیث (کھوری، ضلع ساگر) زیرِ عنوان "اس ایک مسئلہ خلافت کے بیان کے بے انتہا فوائد ہیں" لکھتے ہیں:

- مسلمانوں کو برٹش کا زیادہ مطیع بنانا، اس کے فوائد بھی واقفان معاملات پولٹیکل پر مخفی نہیں ہیں۔
- مسٹر بلنٹ (جو ترقی و بہی خواہ اسلام ہیں اور بہبودیٔ اسلام کے کام کرنے میں

---

[1] محمد یونس، اہل حدیثؒ، اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اوّل، ص ۳-۲۲

[2] ایضاً، ص ۲۴

ساعی ہیں، کی مخالفت سے لوگوں کو باز رکھنا جس سے اتفاق اہلِ اسلام و ترقی اسلام کی تدابیر میں رخنہ اندازی نہ ہونے پاوے۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ میں اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔"[1]

انعامِ وفا

اشاعۃ السنّۃ کی فائلوں سے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں، جن سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی پوری جماعت کو انگریز حکومت کے دامنِ مہر و وفا سے وابستہ رکھا، یہاں تک کہ گورنمنٹ نے نہ صرف ان کی وفاداری کا کھُلے دل سے اعتراف کیا، بلکہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر انعامات سے بھی مالا مال کیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی وصیت میں لکھتے ہیں،

"اراضی جو خدا تعالیٰ نے گورنمنٹ سے مجھے دلائی ہے، چار مربع ہے۔"[2]

مسعود عالم ندوی (اہل حدیث) لکھتے ہیں؛

"ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکارِ انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علماء (مولانا فضلِ حق خیر آبادی اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکہ کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔"[3]

انعام ملنے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں؛

"مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی

---

[1] ابو محمد جمال الدین؛ اشاعۃ السنّۃ، ج ۷، شمارہ ۸، ص ۲۲۷

[2] محمد حسین بٹالوی اشاعۃ السنّۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲۷۷

[3] مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۷-۸

شائع کرائے تھے، معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں "جاگیر" بھی ملی تھی۔ اس رسالہ کا پہلا حصّہ ہمارے پیشِ نظر ہے پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔"[1]

بٹالوی صاحب نے اپنی پوری قوم کو اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

"اس رسالے (الاقتصاد) میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے...... اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی اور اُردو ترجمے سر چارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیے گئے...... اللہ مرحوم کی مغفرت کرے، اس کتاب پر انعام سے بھی سرفراز ہوئے تھے، جماعتِ اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا حصّہ ہے اور یہ ہی وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خو بُو پیدا کی۔"[2]

واقعہ بھی یہ ہے کہ انگریز اپنے وفاداروں کو نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا، اُس نے اپنے وفاداروں کو نوازا اور خوب نوازا ــــ امام احمد رضا بریلوی پر ان کے مخالفین شدید سے شدید تر الزامات عائد کرنے سے نہیں چوکتے، لیکن آج تک بڑے سے بڑا مخالف یہ ثابت نہیں کر سکا کہ انہیں یا اُن کے صاحبزادوں کو گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب دیا ہو کوئی جاگیر یا کوئی انعام دیا ہو؟ پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ انگریز کے حمایتی یا وظیفہ خوار تھے اور انگریز کے سب سے بڑے دشمن علماء اہل حدیث تھے؟

---

[1] مسعود عالم ندوی، ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۷

[2] ایضاً، ص ۱۷۳-۴

میاں نذیر حسین دہلوی

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں بہار کے ایک گاؤں سُورج گڈھا میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں دہلی میں فوت ہوئے [1] طویل عمر پائی۔ تلامذہ کی بڑی تعداد یادگار چھوڑی، اہل حدیث میں شیخ الکل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔

پہلا دَور

میاں صاحب کے اُستاد اور خسر مولانا عبدالخالق دہلوی اور دوسرے اُستاد شاہ محمد اسحاق دہلوی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے طرزِ عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے ــــ نواب محمد قطب الدین نے ۱۲۸۵ھ میں ایک کتاب تحفۃ العرب والعجم کے نام سے لکھی، اس میں لکھتے ہیں؛

> ”اُس وقت میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مولوی محبوب العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم دہلی میں موجود تھے اور یہ صاحب ایسے لوگوں (غیر مقلدین) سے بہت ہی ناراض رہتے تھے اور ان کے کلمات سُن کر چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ پھر یہ لوگ ضال (گمراہ) ہیں اور مولوی محبوب العلی صاحب ایسے لوگوں (کو) بہتّر فرقہ کا ملغوبہ فرماتے تھے اور قلع قمع ان لوگوں کا بوجہ احسن کرتے تھے . . . . . اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی ان کا ردّ و کد

---

[1] عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہتہ الخواطر (نور محمد کراچی) ج ۸، ص ۵۰۱ - ۴۹۷

> بوجہ احسن فرماتے تھے اور خوب ان کی گت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ چھوٹے رافضی ہیں۔“ [1]

اس وقت میاں صاحب بھی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے رد میں سعی بلیغ کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں؛

> ”منجملہ ان کے سیّد نذیر حسین صاحب نے بھی دفع اس فتنہ میں بہت سعی کی کہ مولوی حقی اور عبدالمجید پوربی سے اس باب میں بہت گفتگو کر کے ان کو ساکت کیا بلکہ اُن کے جواباتِ شکوک میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں تعریفیں امام صاحب کی اور حقیت اپنے مذہبِ حنفی کی اور جواب مخالفین کے اور مرجوحیت مذہبِ غیر کی بیان کی اور رواۃ احادیث پر جو خلافِ احادیث متمسکہ مذہب حنفی کی ہیں، جرح و قدح بوجہ احسن فرما کر ان کو ضعیف جتایا اور بارہا اپنی زبانِ مبارک سے ان لامذہبوں کو رافضیوں کا بھائی کہا“ [2]

ایک وقت تھا کہ میاں صاحب دل و جان سے احناف کا ساتھ دیتے تھے اور غیر مقلدین کا زبانی اور قلمی رد کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں؛

> ”اس بلا کے دفع میں سیّد نذیر حسین صاحب بجان و دل ہمارے ساتھ رہے حتیٰ کہ ”تنویر العینین“ کے مضامین کے رد میں جس کو لوگ منسوب مولانا اسمٰعیل کی طرف کرتے ہیں۔ مدلّل ایک رسالہ عربی میں لکھا اور سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے میں پیچھے امام کے بھی ایک رسالہ لکھا اور اخفاءِ آمین اور عدم رفع یدین وغیرہ میں بھی خوب خوب عبارتیں اور روایتیں لکھیں اور لکھا کہ عدم رفع یدین نماز میں احق ہے اور رفع منسوخ اور مذہب حنفی کی بہت سی تعریفیں لکھیں، چنانچہ وہ اب تک میرے ایک

---

[1] محمد قطب الدین دہلوی، نواب؛ تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی)، ص ۴-۳

[2] ایضاً؛ ص ۴

دوست کے پاس موجود ہیں۔"[1]

اس وقت میاں صاحب دعوے سے کہتے تھے کہ مذہب حنفی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ نواب قطب الدین لکھتے ہیں:

"اور چونکہ سید صاحب اس فقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ہر جمعہ کو میرے ہاں آتے اور بارہا فرماتے کہ ہم اور تو کچھ جانتے نہیں، ہم کو کوئی بتا دے کہ فلانا مسئلہ حنفیہ کا خلاف قرآن یا حدیث کے ہے۔ دیکھو تو ہم کیسا قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔[2]

دُوسرا دَور

طالب علمی کے دور میں ہی میاں صاحب کے مزاج میں آزادروی کے آثار پائے جاتے تھے، اسی لیے ایک موقع پر شاہ محمد اسحاق نے کہا تھا:

"اُس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے۔"[3]

پچاس سال کی عمر تک حنفی رہنے کے بعد اس وقت رنگ بدلا، جب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکا تھا، ابتداءً غیر مقلدین کی نشست میاں صاحب کے ہاں رہتی تھی، ان کے ہاں حلقہ جمتا تھا۔

"بعد غدر کے لامذہبوں نے یہ پیرایہ اختیار کیا کہ سید نذیر حسین صاحب کے پاس حلقہ باندھ باندھ کر بیٹھنا شروع کیا۔ کیا مسجد میں، کیا ان کے مکان پر، اور جب کوئی بات لامذہبی کی منہ سے نکالیں یا عمل کریں تو حوالہ سید صاحب کا

---

[1] محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم ص ۵

[2] ایضاً: ص ۵ - ۶

[3] فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۵۷

دے دیں، ہم لوگ ان کو جھٹلا دیں کہ تم جھوٹے ہو، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں —— اور جو کوئی صاحب سید صاحب سے ان کا مقولہ کہے کہ وہ آپ کا حوالہ دیتے ہیں، تو سید صاحب یہی فرما دیں کہ وہ جاہل ہیں، اُن کا کیا اعتبار؟

آخر نوبت بایں جا رسید کہ اماموں پر اور ان کے اتباع پر کھُلم کھُلا تبرے ہونے اور اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ کے مصداق لگے ٹھہرانے۔"[1]

میاں صاحب کا ایک طرف احترامِ اساتذہ ملاحظہ ہو:

"بیانِ مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے "ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں" اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے، تو بہت خفا ہو کر فرماتے "مردود! کیا یہ حضرات گھس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے تھے"[2]

دُوسری طرف ائمہ مجتہدین سے بے اعتنائی کا یہ عالم:

"آپ جب کوئی حدیث صحیح فرماتے اور کوئی شخص اس کے معارض کسی ائمہ مذہب کا قول پیش کر دیتا، تو برہم ہو کر فرماتے "سنو! یہ بزرگ ہم سے بڑے، میرے باپ سے بڑے، دادا سے بڑے، مگر رسولِ خدا سے بڑے نہیں۔"[3]

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین ساری عمر گھاس کاٹتے رہے تھے، اسی لیے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف احکام بیان کر دیتے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ

میاں صاحب کے اساتذہ شاہ محمد اسحاق اور مولانا عبد الخالق وغیرہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی تھے۔

---

[1] محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم ص ۶

[2] فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ ص ۳۰۲

[3] ایضاً: ص ۲۸۵

پھر تو میاں صاحب نے کھُل کر تقلید ائمہ کا لبادہ اُتار دیا اور غیر مقلدین کے امام کہلائے نواب محمد قطب الدین لکھتے ہیں،

"لامذہبوں نے نہ مانا اور لامذہبی میں زیادہ مصر ہوئے اور نشست و برخاست سید صاحب کے، پاس زیادہ رکھنے لگے اور سید صاحب کو ایسا ورغلانا اور اپنی ساتھ سانٹھا کہ سید بھی ان کی ممنونی و مشکوری میں لٹو بن کر ان کی حمایت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو بیس، بائیس برس سے ایسا ہی تھا، پر کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا کروں، مجھ کو تو یونہی سُوجھتی ہے۔" [1]

میاں نذیر حسین دہلوی کو وہابیت اور ترک تقلید کی راہ پر لگانے میں سر سیّد کا بھی ہاتھ تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں،

"سر سید احمد خاں ایک ممتاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم آروی کو اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۹۵ء میں لکھتے ہیں،

جناب سیّد نذیر حسین دہلوی صاحب کو میں نے "نیم چڑھا وہابی" بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سُنّتِ ہدٰی جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جنابِ ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سُنا کہ میرے پاس سے اُٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔" [2]

نواب محمد قطب الدین نے تنویر الحق اور توقیر الحق کے نام سے دو رسالے لکھے جن میں مذہبِ حنفی کو قرآن و حدیث اور اجماع کے دلائل سے ثابت کیا اور امام معین کی تقلید کی ضرورت کو واضح

---

[1] محمد قطب الدین، نواب؛ تحفۃ العرب والعجم ص ۷ - ۶

[2] محمد ایوب قادری، پروفیسر؛ برگِ گل، سر سیّد نمبر، نقش ثانی (اُردو کالج، کراچی) ص ۶ - ۲۸۵

کیا۔ میاں صاحب نے ان کے جواب میں معیار الحق نامی کتاب لکھی،

"سو تنویر الحق کے جواب میں رسالہ "معیار" لکھا کہ اُس سے تمام مقلدین کیا اولیاً اور کبار علماء و صلحاء، متقدمین و متاخرین مشرک و بدعتی ٹھہرے، سیّد صاحب کی ذات سے بعید ہے کہ ایسے واہیات لکھیں اگرچہ اس کام سے وہ امصار و دیار میں ایسے بدنام و خوار ہوئے ہیں کہ حاجت بیان کی نہیں، پر اس کو بھی انہوں نے اپنا نام و نمود سمجھا۔" [2]

نواب صاحب، ائمہ مجتہدین کی راہ سے برگشتہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"افسوس صد افسوس! ان لوگوں سے کہ مذہبِ مجتہدین خیر القرون کا چھوڑ کر تابع داری غیر مجتہد نافہم اس زمانہ فساد انگیزی کی کرتے ہیں اور زبان طعن کی اکابرِ دین پر دن رات جاری رکھتے ہیں۔ بیت ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند"

انعام یافتہ وفادار

دیگر علماء اہل حدیث کی طرح میاں صاحب بھی برٹش گورنمنٹ کے دل و جان سے وفادار تھے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں پاس وفاداری کی خاطر حصّہ نہ لیا۔ ان کے سوانح نگار نے جلی سُرخی قائم کی ہے،

"گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری (لوائلٹی)" [3]

---

[1] محمد قطب الدین، نواب؛ تحفۃ العرب والعجم ص ۷

[2] ایضاً؛ ص ۱۱

[3] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۲۴

اس سرخی کے تحت سوانح نگار لکھتے ہیں:

"حج کو جاتے وقت بھی جو چٹھی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی، اس کی نقل سفرِ حج کے بیان میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی، مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مُہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ "میاں وہ ہلّڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا — ؟ حشرات الارض خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب کیا، ویران، تباہ اور برباد کر دیا، شرائطِ امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آگئے۔

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟[1]

یہ وہ چیختے ہوئے حقائق ہیں جو خود بخود سب کچھ ظاہر کر رہے ہیں، واقعات کو توڑ مروڑ کر ان سے من مانے نتائج نہیں نکالے گئے۔

حالتِ جنگ میں درس جاری رہا

جن حضرات نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی طور پر بھی حصّہ لیا۔ سقوطِ دہلی کے وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، لیکن میاں صاحب پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مصروف تھے۔ اگر اس جنگ میں ان کا کوئی حصّہ ہوتا یا انہیں کسی قسم کا خطرہ دامن گیر ہوتا تو حالت دگرگوں ہوتی۔

---

[1] فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۲۴-۵

"دوسرے امتحان میں ۱۸۵۷ء کے غدر میں آپ کامیاب ہوئے جس زمانے میں مولانا عبد اللہ غزنوی قدس سرہ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحن مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے دنا دن گزرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز ایک گولہ حالتِ سبق میں آکر گرا، مگر نہ آپ (میاں صاحب) ہراساں ہوئے اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا اور جب تک انگریزوں نے دلی کو فتح کر کے اہلِ دلی کو نکال نہ دیا، آپ نے جان کے خوف سے دِلّی نہ چھوڑی۔"[1]

جہاد باعثِ ہلاکت و معصیت

میاں صاحب کے فتووں کے مجموعہ فتاوٰی نذیریہ کی کتاب الامارۃ والجہاد میں ایک سوال یہ ہے کہ جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے، مگر "جہاد کی کئی شرطیں ہیں، جب تک وہ نہ پائی جائیں گی، جہاد نہ ہوگا۔" پھر فرضیتِ جہاد کی چار شرطیں بیان کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

"پس جب یہ بات بیان ہو چکی، تو میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں، تو کیونکر جہاد ہوگا ہرگز نہیں۔"[2]

خاص طور پر انگریزی اقتدار کے دور میں جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"علاوہ بریں ہم لوگ مُعاہد ہیں، سرکار سے عہد کیا ہوا ہے، پھر کیوں کر عہد کے خلاف کر سکتے ہیں؟ عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے۔"[3]

ایک سائل نے سوال کیا کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے یا نہیں؟ میاں صاحب جواب

---

[1] فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ ص ۲۴۷

[2] پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (بحوالہ فتاوٰی نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۳، ص ۲۸۴)

[3] ایضاً: فتاوٰی نذیریہ، ج ۳، ص [illegible]

میں جہاد کے جائز ہونے کی دو شرطیں بیان کر کے لکھتے ہیں؛

> "ہندوستان میں شوکت و قوت اور قدرت سلاح و آلات مفقود ہے اور ایمان پیمان یہاں موجود ہے۔ پس جبکہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہوگا۔" [۱]

کتنی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں نہ صرف یہ کہ جہاد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ جہاد کرنا گناہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں؛

> "مفلس پر اعانتِ مال نہیں، بے دست و پا پر اعانتِ اعمال نہیں ولہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد و قتال نہیں۔" [۲]

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ مسلمانوں پر موجودہ بے بسی کے عالم میں جہاد فرض نہیں ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں؛

> "رہا جہاد سنانی (نیزے اور ہتھیاروں سے جہاد)، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بہ نصوص قرآنِ عظیم ہم مسلمانانِ ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا مسلمانوں کا بدخواہ مبین ہے۔" [۳]

امام احمد رضا بریلوی نے جہاد کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ فرمایا کہ مسلمانوں میں طاقت نہیں، لہٰذا جہاد واجب نہیں، اس فتوے کی بنا پر کیسے کیسے الزامات لگائے گئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں؛

> "مسلمانوں میں مشہور کیا گیا کہ وہ انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور اُن کے لیے کام کر رہے ہیں۔" [۴] (ترجمہ)

---

[۱] پندرہ روزہ تقاضے، لاہور بحوالہ فتاوٰی نذیریہ ج ۴، ص ۲۸۴ - ۵

[۲] احمد رضا بریلوی، امام، دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۴۶

[۳] ایضاً، رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲، ص ۲۰۸

[۴] ظہیر البریلویۃ ص ۴۳

مزید ترقی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے؛

> "یہی بات ہندوستان میں انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور بریلوی کے ہمعصر، قادیانی نے کہی (ترجمہ)" [۱]

اگر انصاف و دیانت کا کوئی حصہ دل کے کسی گوشے میں موجود ہے — اور خوفِ آخرت کا معمولی سا عکس بھی آئینۂ قلب پر جلوہ فگن ہے، تو انصاف سے بتائیے کہ فتویٰ کی یہ زبان میاں نذیر حسین دہلوی کے بارے میں کیوں نہ استعمال کی جائے جو صرف جہاد کو ناجائز ہی نہیں بلکہ گناہ قرار دے رہے ہیں، مولوی محمد حسین بٹالوی پر یہ فتویٰ کیوں نہ لگایا جائے جو نہ صرف مسلمانانِ ہند پر جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک دنیا کے کسی بادشاہ کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں جیسے کہ اس سے پہلے اوراق میں گزر چکا۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس حکم میں کیوں داخل نہیں، وہ تو حکومت کے وفادار اور جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

انگریزی میم کی حفاظت

مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں؛

> "عین حالتِ غدر میں جبکہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا، مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں صاحب رات کے وقت اُٹھوا کر اپنے گھر لے آئے پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے۔ اس وقت اگر ظالم باغیوں کو خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ طُرّہ اس پر یہ تھا کہ پنجابی کٹڑہ والی مسجد کو تغلبا باغی دخل کئے ہوئے تھے، اُسی میں اس میم کو چھپائے ہوئے تھے، مگر ساڑھے تین مہینے تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں گئے آدمی ہیں؟

---

[۱] ظہیر؛ حاشیہ البریلویۃ ص ۴۳

تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہوچکا، تب اس نیم جاں میم کو جو اَب بالکل تندرست وتوانا تھی، انگریزی کیمپ میں پہنچادیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور مندرجہ ذیل سارٹیفکٹیں ملیں[1]

عین اُس وقت جب مجاہدین پر قیامت گزر رہی تھی، میاں صاحب جان پر کھیل کر میم کی جان بچاتے ہیں، ساڑھے تین ماہ تک بحفاظت اپنے گھر پر رکھتے ہیں اور جنگ کے خاتمے پر اسے انگریز کے حوالے کرکے ایک ہزار تین سو روپے (جو موجودہ دَور کے ایک لاکھ تیس ہزار روپے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے) بہ طورِ انعام وصول کیے، حالتِ جنگ میں معمولات تدریس حسب معمول جاری ہے، اس کے باوجود انہیں استعمارِ انگریزی کا دشمن اور عظیم مجاہد قرار دیا جائے[2] تو یہ تاریخ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

مشہور مؤرخ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

یہ بھی صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک زخمی انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی، اُٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا، وہ تندرست ہوگئی اور اُسے اُس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ میں پہنچادیا تھا، مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا یہ میرا اسلامی فرض تھا۔"[3]

حیرت ہے کہ میاں صاحب ایک ہزار تین سو روپے اور تعریفی سرٹیفکیٹ وصول کریں، شمس العلماء کا خطاب بھی پائیں، اس کے باوجود مہر صاحب کہتے ہیں کہ "اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ اسلامی فرض کی ادائیگی کے ضمن میں آئے گا؟

---

[1] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۲۷

[2] ظہیر؛ البریلویۃ ص ۳۶-۷

[3] غلام رسول مہر؛ افاداتِ مہر (شیخ غلام علی، لاہور) ص ۲۳۶

سرٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

میاں صاحب کو مسز لیسنس کی حفاظت کے بدلے میں نہ صرف نقد انعام ملا بلکہ تعریفی سرٹیفکیٹ بھی جاری کیے گئے۔ ذیل میں ایک سرٹیفکیٹ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ بھی متعدد سرٹیفکیٹ وصول کیے گئے تھے:

دہلی: مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۷۷ء

از: ڈبلیو جی واٹرفیلڈ افی شیٹنگ کمشنر

مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے شریف حسین اور اُن کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالتِ مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں اُن کو پہنچادیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگریزی سرٹیفکٹس ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اُن کا کہنا بہت ہی قرینِ امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیوایل چیمبرلین، جنرل برنارڈ اور کرنل سائیٹر وغیرہم سے سرٹیفکیٹس ملی تھیں۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دوسو اور چار سو روپیہ ملے تھے، مبلغ سات سو روپیہ بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسنِ سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔"[1]

---

[1] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۲-۳

راولپنڈی کی نظر بندی

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر وفاداری کے باوجود میاں صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بند کیوں رکھا گیا؟ اس کا ایک جواب جو حقائق پر نہیں، بلکہ محض عقیدت پر مبنی ہے اور "مریداں ہمی پرانند" کا مصداق ہے، یہ ہے:

> "آخر میں انگریزوں نے وہابیہ کے خلاف کارروائی میں، اہل حدیث کے امام کبیر اور اُن کے قائد و زعیم، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی گرفتاری کا فیصلہ کیا، لیکن وہ اُن کی علمی ہیبت، بُلند مقام اور مسلمانوں میں اثر و نفوذ سے خائف تھے، اس لیے ان کے معاملے میں مجبور ہو گئے تاکہ مسلمان بھڑک نہ اُٹھیں اور قیامت نہ آجائے، اس لیے کچھ عرصہ کی قید کے بعد اُنہیں رہا کرنا پڑا۔"[1] (ترجمہ)

لیکن حقائق کسی دوسری سمت اشارہ کر رہے ہیں۔ سرِدست ایک سرٹیفکیٹ کا مطالعہ کیجیے جو حقیقتِ حال کے جاننے میں معاون ثابت ہوگا۔

> "مؤرخہ: ۱۷ ستمبر ۱۸۸۱ء
>
> از: میجر جی۔ ای۔ ینگ کمشنر
>
> میں نے اس سرٹیفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے (جو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے) اور مسٹر لیسنس سے بھی مجھ کو وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو اس میں مندرج ہیں، یہ امر قرینِ امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان کیے ہوئے حالات نے مخالفوں کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔"[2]

ساڑھے تین ماہ تک انگریزی میم کو پناہ میں رکھا گیا، اس وقت تو مجاہدین کو کانوں کان

---

[1] ظہیر؛ البریلویۃ ص ۳۸

[2] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۳

خبر نہ ہوئی، تاہم بعد میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، اس لیے جنگِ آزادی کے جیالوں کا برہم ہونا یقینی تھا۔ اس سے قبل گزر چکا ہے کہ پنجاب کے انگریزی اقتدار میں آجانے کے بعد سرحد میں مقیم "مجاہدین" کو کارروائی کے ختم کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ انگریز کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور اس حکم پر عمل کرانے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سرحد جانے والے چندہ پر پابندی لگا دی گئی اور تشدد اس قدر بڑھا کہ اہل سرحد کے ساتھ خط و کتابت رکھنے والوں پر بھی مقدمے قائم کر دیئے گئے اسی ضمن میں میاں صاحب کی بھی مخبری کر دی گئی کہ یہ بھی سرحد والوں سے خط و کتابت رکھتے ہیں:

> "میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا اور آپ تا تحقیقاتِ کامل کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کے جیل میں نظر بند رہے۔
>
> دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی، تو دُوسروں (اہل سرحد) کے بھیجے ہوئے خطوط بہ تعداد کثیر بے ٹھکانے دری پر، چٹائی پر، دَری کے نیچے، چٹائی کے نیچے، چارپائی کے نیچے، کتابوں میں پائے گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ وجہ اس کی تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہیے یا ان خطوط میں دیکھنا چاہیے۔"[1]

خطوط دیکھے گئے ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملی جس سے انگریز کی مخالفت یا حکم عُدولی کا سُراغ مل سکے:

> "خطوط جو پڑھے گئے تو ان میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتویٰ کا سوال ذیل میں درج ہے۔ حضور اس کا جواب جلد بھیج دیں۔ فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے؟[2] وغیرہ وغیرہ۔"

---

[1] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۳۵

[2] ایضاً؛ ص ۱۳۶

ظاہر ہے ان خطوط میں انگریز دشمنی کا کوئی مواد نہ تھا، اس کے برعکس اس قسم کا کوئی فتویٰ مل سکتا تھا، پوچھا گیا کہ مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ خراسان میں ہیں، وہ امامِ وقت ہیں یا نہیں؟ یہ عبداللہ صاحب "مجاہدین" کے امیر تھے۔ میاں صاحب نے جواب میں امامِ اکبر کی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھا:

"اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقہ خراسان میں ہیں بسبب فقدان شرطِ اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں"[1]

جب میاں صاحب، عبداللہ صاحب کو امام ہی تسلیم نہیں کرتے، تو ان سے ربط و ضبط یا مالی امداد کیا معنی رکھتی ہے اور انگریز کو کھٹک کیوں باقی رہتی؟

"الغرض بعد تحقیقات کامل یہ بات روزِ روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مؤاخذہ محض ناجائز ہے اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں، اس لیے رہا کر دیئے گئے۔

یہ باتیں ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ جس طرح غدر ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے، اسی طرح ۶۵-۱۸۶۴ء کے مقدمۂ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھہرے[2] کہا جاتا ہے:

"جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔" (ترجمہ)[3]

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ میاں صاحب کے اہل حدیث سوانح نگار بھی اس جنگ کو غدر ہی قرار دے رہے ہیں، خود میاں صاحب کہتے تھے:

"میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔"[4]

---

[1] فتاویٰ نذیریہ (بحوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد)   ج ۳، ص ۲۸۲

[2] فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ   ص ۱۳۷

[3] ظہیر: البریلویۃ   ص ۳۷

[4] فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ   ص ۱۲۵

اس عنوان پر اگر علمائے اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، تو ایک مبسوط مقالہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جو سرٹیفکیٹ نقل کیے جا چکے ہیں، وہ اس مقدمہ کے بعد کے ہیں۔

سفرِ حج اور کمشنر دہلی کی چِٹھی

۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور اس خیال سے کہ مخالفین جس طرح ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں غلط بیانی سے اُلجھا چکے ہیں، کہیں اس سفر میں بھی پریشان نہ کریں ـــــ کمشنر دہلی سے مل کر یہ صورتِ حال بیان کی کمشنر نے ایک چِٹھی انہیں دی جو اُن کی وفاداری کا سرٹیفکیٹ تھی اور وہ یہ تھی:

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں، جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارتِ کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے، وہ اُن کو مدد دے گا، کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط: جے ڈی ٹریملٹ بنگال
سروس کمشنر، دہلی و سپرنٹنڈنٹ
۱۰/ اگست ۱۸۸۳ء[1]

اللہ اکبر! انبیاء و اولیاء سے استمداد و استعانت (جو توسّل ہی کی قسم ہے) کو شرک قرار دینے والوں کا گورنمنٹ انگریزی سے یوں استمداد و استعانت کرنا اور وہ بھی سفرِ حج میں کیونکر مقتضائے توحید بن گیا؟

---

[1] فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ   ص ۱۴۰

ایک چٹھی مسٹر لیسنس سے بھی حاصل کی، جنگ کے دنوں میں جس کی میم کو گھر میں پناہ دی تھی:

> "دوسری چٹھی مسٹر لیسنس نے بنام کونسل جدہ کے دی جس میں آپ کی خیر خواہی زمانۂ غدر کا مفصّل بیان تھا۔ انہوں نے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت ہیں اور ان میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہو گئے ہیں مسٹر لیسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کا نسل کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے شر و فساد سے بچائے۔ یہ چٹھی برٹش کانسل مقیم جدّہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس رکھ لی۔" [1]

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں میاں صاحب پر جو مقدمہ قائم کیا تھا، وہ غلط مخبری کی بنا پر تھا۔ اب انگریز کا دل ان کی طرف سے مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا۔

ہندوستان دارالامان

فضل حسین بہاری لکھتے ہیں،

> "ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔" [2]

گورنمنٹ خدا کی رحمت

میاں صاحب کے تلمیذ خاص اور سفرِ حج کے رفیق مولوی تلطّف حسین نے ایک موقع پر پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا،

---

[1] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۴۱ - ۱۴۰

[2] ایضاً، ص ۱۳۴

> "ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔" [1]

امام احمد رضا بریلوی کا فتویٰ یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ "دو اہم فتوے" اس موقف کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ امام احمد رضا بریلوی کو اس موقف کی بنا پر آزادئ وطن کی تحریکوں کا مخالف، جہاد کی حرمت کا قائل اور دوسروں کی خوشنودی کے لیے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دینے والا قرار دیا جاتا ہے۔ [2]

کیا یہ سب فتوے میاں نذیر حسین اور اُن کے شاگرد مولوی تلطّف حسین پر بھی لگائے جائیں گے؟

---

[1] فضل حسین بہاری؛ الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۶۲

[2] ظہیر؛ البریلویۃ ص ۴۰

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ابن اولاد حسن قنوجی ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے[1] ابتدائی کتابیں اپنے بھائی سے پھر فرخ آباد اور کانپور کے اساتذہ سے پڑھیں پھر زیادہ تر درسِ نظامی کی کتابیں صدر الصدور مفتی صدر الدین خاں آزردہ سے پڑھ کر سندِ تحصیل حاصل کی۔ پھر بھوپال میں قاضی زین العابدین انصاری یمانی سے حدیث کا درس لیا۔[2]

زینۂ ترقی

۱۲۸۶ھ/ ۱۸۷۰ء میں بھوپال کے محکمۂ نظارت المعارف، پھر محکمہ دیوان الانشاء میں ملازم ہوئے۔ ملکۂ بھوپال نواب شاہجہاں بیگم بیوہ تھیں، ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے[3]

۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۲ء میں حکومتِ برطانیہ کے ایماء پر ملکۂ بھوپال نے نواب صاحب کے ساتھ نکاح کر لیا۔ نواب صاحب کا بیان ہے:

ثم تزوجت بی فی سنة ۱۲۸۸ھ بعد ما اجازته
بذالك السلطنة البرطانية فی عهد حکومة
لارد میو حاکم الهند نزیل دارالامارة کلکته[4]

---

[1] عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۸۷

[2] ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۸-۱۸۷

[3] ایضاً: ص ۱۸۹

[4] نواب صدیق حسن بھوپالی: ابجد العلوم (مکتبۂ قدوسیہ لاہور) ج ۳، ص ۲۸۴

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"جب دوسرا سال گزرا، رئیسہ معظّمہ نے اپنی زوجیت سے مجھے عزّت و افتخار بخشا اور یہ امر باطلاعِ گورنمنٹ عالیہ و حسبِ مرضی سرکارِ انگلشیہ ظہور میں آیا۔"[1]

اس جگہ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر گورنمنٹ کو ملکہ کے نکاح کرنے اور خاص طور پر نواب صاحب ہی کے ساتھ کیا دلچسپی تھی؟ —— نواب صاحب کے سوانح نگاروں نے اس عقدہ کو حل نہیں کیا، لیکن اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب گورنمنٹ کے انتخاب اور معیار پر پورے اترتے تھے، انہیں نوازنا مقصود تھا، اس لیے نوازا اور خوب نوازا۔ یہاں تک کہ ملکۂ بھوپال کو اُن کے ساتھ عقد پر مجبور کر دیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں جنہوں نے کسی طور پر حصّہ لیا تھا، وہ یا تو اگلے جہان پہنچ چکے تھے یا کالے پانی اور جیلوں میں زندگی کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ نواب صاحب ایسے خوگرانِ وفا کو نہ نوازا جاتا تو کسے نوازا جاتا؟

نواب صاحب لکھتے ہیں:

"یہ علاقہ موجب ترقیٔ منصب اور عروج و عزّتِ روز افزوں کا ہوا اور چوبیس ہزار روپیہ سالانہ اور خطاب معتمد المہامی سے سرفرازی حاصل ہوئی اور خلعتِ گرامی قیمتی دو ہزار روپیہ مع اسپ و فیل و چتور و پالکی و شمشیر وغیرہ عنایت ہوا، بعد چندے خطاب نوابی و امیر الملکی و والا جاہی ۱۷ فیر شلنگ سے سربلندی عطا فرمائی اور اقطاع یک لک روپیہ سال اس پر مزید مرحمت ہوئے۔[2]

یہ بھی نواب صاحب کا بیان ہے:

"ہندوستان کے مُسلمان ہمیشہ سے مذہبِ شیعی یا حنفی رکھتے ہیں۔"[3]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ ص ۲۸

[2] ایضاً، ص ۲۸

[3] ایضاً، ص ۴۳

"اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کمتر اہل حدیث ہیں۔ [1]

نواب صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث نے مسلمانانِ ہند کے قدیم اور اکثریت کے طریقے سے برأت کر کے الگ راہ اختیار کی ؛

"ہم لوگ صرف کتاب وسنّت کی دلیلوں کو اپنا نا دستور العمل ٹھہراتے ہیں، اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں" [2]

حقیقت یہ ہے کہ احناف کتاب وسنّت کے دلائل پر ہی عمل کرتے ہیں۔ وہ دلائل جو دنیا بھر کی مسلم آبادی کی اکثریت کے امام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس مذہب کے دیگر ائمہ نے بیان کیے ہیں، جبکہ نواب صاحب اور اُن کے ہم خیال اپنے فہم اور اپنے استدلال پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کے دلائل کو خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ نواب صاحب کی یہی ادا گورنمنٹ کی نظروں میں باعثِ محبوبیت تھی ؛

"اور یہ آزادگی ہماری مذاہب مروّجہ جدیدہ سے عین مراد قانون انگلشیہ ہے" [3]

حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں ؛

وکان کثیر النقل عن القاضی الشوکانی و ابن قیّم وشیخہ ابن تیمیۃ الحرانی وامثالھم، شدید التمسک بمختاراتھم وکان لہ سوء ظن بائمۃ الفقہ والتصوف جدا، لاسیما ابی حنیفۃ [4]

قاضی شوکانی، ابن قیّم اور اُن کے شیخ ابن تیمیہ حرّانی وغیرہم کی عبارات بہت نقل کرتے اور ان کے مختارات کو شدت کے ساتھ اپناتے، وہ ائمہ فقہ وتصوف خصوصًا امام ابوحنیفہ سے بہت بدگمانی رکھتے تھے۔"

اسی طرزِ عمل کے پیشِ نظر نواب وحید الزماں نے لکھا تھا ؛

"ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیّم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے، بُرا بھلا کہنے لگے، بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیّم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے ؟ [5]

نواب صاحب کا دوسرا امتیازی وصف گورنمنٹ سے وفاداری تھا، چنانچہ ایک موقع پر کچھ مخالفین نے ان کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرنا چاہے ؛

"مگر حکّام عالی منزلت، یعنی کارپردازان دولتِ انگلشیہ کو چونکہ تجربہ اس ریاست کی خیر خواہی اور وفاداری کا عمومًا اور اس بے صولت و دولت کا خصوصًا ہو چکا ہے، اس لیے تہمت ان کی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچی [6]

جہاد کا عزم گناہ کبیرہ ہے

نواب صاحب لکھتے ہیں ؛

"علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملکِ ہند میں جب سے حکّامِ والامقام فرنگ فرماں روا ہیں۔ اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے، یا

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی ؛ ترجمانِ وہابیہ ص ۵۷

[2] ایضًا ؛ ص ۲۰

[3] ایضًا ؛ ص ۲۰

[4] عبدالحی لکھنوی، حکیم نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۱

[5] محمد عبدالحلیم چشتی ؛ حیات وحید الزماں (نور محمد، کراچی) ص ۱۰۲

[6] صدیق حسن خاں بھوپالی ؛ ترجمانِ وہابیہ ص ۲۹

دارالاسلام ہے حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ "دارالاسلام" ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنیٰ ؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن و امان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں۔ جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں۔" [1]

"چوں براسلام باقی ماند جہاد دراں یعنی چہ بلکہ گناہے از گناہ و کبیرۂ از کبائر باشد۔" [2]

اور جب ہندوستان دارالاسلام ہے، تو یہاں جہاد کا کیا مطلب ؟ بلکہ گناہوں میں سے ایک گناہ اور کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ

"آنانکہ اقدام بر قتل اصحاب دولت برطانیہ یا دیگر مردم مے کنند خود ایشاں از علم و دین بے بہرۂ محض افتادہ اند۔ ہر کہ شریعت اسلام را بروجہ تحقیق می شناسد از وے ہرگز ایں جریمۂ کبیرہ سرزدنمی تواند شد۔" [3]

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب، ترجمانِ وہابیہ ص ۱۵

[2] ایضاً، عوائد المواند (مطبع صدیقی، بھوپال) ص ۳۴

[3] ایضاً، ص ۳۸

جو لوگ اربابِ حکومتِ برطانیہ یا دوسرے لوگوں کے قتل پر اقدام کرتے ہیں، وہ خود علم اور دین سے محض بے بہرہ واقع ہوتے ہیں۔ جو شخص تحقیقی طور پر شریعتِ اسلام کو پہچانتا ہے، اس سے یہ بڑا جرم (گناہ کبیرہ) سرزد نہیں ہو سکتا۔

شرائطِ جہاد مفقود ہیں

ساری دنیا میں کوئی معتقد اس امر کا کہ جہاد و قتال خاص سرکارِ انگلشیہ سے جائز ہے، دوسرے سے نہیں، ہرگز نہیں؛ اس لیے کہ شرطیں اس عمل کی بتمامہا مفقود ہیں اور جمع ہونا ان شرطوں اور ضابطوں کا نہایت دشوار ہے۔" [1]

"غدر" میں اہل حدیث نے حصّہ نہیں لیا

"جتنے لوگوں نے غدر میں شر و فساد کیا اور حکّامِ انگلشیہ سے برسرِ عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلّدانِ مذہبِ حنفی تھے، نہ متبعانِ حدیث نبوی۔" [2]

جہاد نہیں فساد تھا

"اسی طرح زمانۂ غدر میں جو لوگ سرکارِ انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا۔" [3]

سب سے زیادہ خیر خواہ

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب، ترجمانِ وہابیہ ص ۳۰

[2] ایضاً، ص ۲۵

[3] ایضاً، ص ۵۴

> "کوئی فرقہ ہماری تحقیق میں زیادہ ترخیرخواہ اور طالبِ امن و امان و آسائش رعایا کا اور قدر شناس بندوبست گورنمنٹ کا اس گروہ سے نہیں ہے جو آپ کو اہلِ سنّت و حدیث کہتا ہے اور کسی مذہبِ خاص کا مقلّد نہیں۔"[1]

ملکۂ بھوپال کے اعزازات

بھوپال میں اصل اقتدار نواب شاہجہان بیگم کے پاس تھا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے ابجد العلوم کی تیسری جلد میں ملکہ کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والے اعزازات کا ذکر کیا ہے۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

- ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں ملکہ نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں اُسے پہلے درجے کا بلند خطاب، اور وزیرِ اعظم کے قلم سے "ممبر آف دی امپیریل آرڈر آف دکرنڈ کمنڈر اشتار آف، انڈیا" کا شاہی نشان ملا اور وہ خاص اعزاز کے ساتھ خوش خوش بھوپال آئی۔
- ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں ملکہ دارالحکومت کلکتہ گئی اور وہاں ملکۂ انگلستان کے بڑے لڑکے اور ولی عہد پرنس آف ویلز سے ملاقات کی۔ پرنس نے ملکہ کی بہت تعظیم کی، گراں قدر تمغہ اور انگلستان کے مصنوعہ قیمتی تحائف پیش کیے۔
- اس سے پہلے ویلز کے بھائی پرنس ایڈنبرا سے ملاقات کی تھی اور اس نے بھی ملکہ کی انتہائی تعظیم کی تھی اور لندن سے ان کے لیے قیمتی اشیا بھیجی تھیں اور حسبِ عادت یہ بھی ان سفروں میں ان کے ساتھ تھا۔
- پھر ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں ملکہ نے دہلی کا سفر کیا اور انہیں عظیم الشان شاہی نشان ملا جس پر لکھا ہوا تھا: "اَلْعِزُّ مِنَ اللّٰہِ"
- گورنر جنرل نے ملکہ کو فرنگی تلوار، طلائی ٹیکا اور جڑاؤ صندوق دیا تھا اور یہ ٹیکا تمام محافل میں زیب تن کرتے ہیں اور اس عظیم دربار اور بڑے اجتماع میں جہاں ہندوستان کے دُور و نزدیک کے تمام رؤسا حاضر تھے، ماضی کی تاریخ میں ایسا پُرشوکت اجتماع نہیں ہوا ہوگا۔ ہمارے لیے ملکۂ انگلینڈ کی طرف سے سترہ توپوں کی سلامی مقرر کی گئی جو ہمیں برطانیہ کے زیرِ نگیں علاقہ میں جانے اور آنے پر پیش کی جائے گی۔
- پھر ملکۂ بھوپال کو ایک اور خطاب "کراؤن آف انڈیا" ملا، جس کا ترجمہ تاج ہند ہے۔[1]

ان تمام محافل میں نواب صاحب کی حیثیت اگرچہ ثانوی تھی، تاہم برطانوی حکّام کی نگاہ میں اُن کی وفاداری کسی طرح بھی مشکوک نہ تھی، ورنہ وہ انہیں ملکہ کے شوہرِ نامدار کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہ کرتے۔ آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

> "مختصر یہ کہ ملکہ اس آخری زمانے اور نادار عصر میں ان فضائل کی جامع ہیں جو عورتوں میں کجا مردوں میں بھی بہت کم جمع ہوتے ہوں گے۔ وہ ان کمالات کی حامل ہیں جن کے بیان سے ترجمان کی زبان قاصر ہے اور یہ اُن کے بلند مناقب کے میدان سے ایک ذرّہ اور اُن کی بزرگیوں کے دریاؤں سے ایک قطرہ ہے۔"[2]

دَورِ ابتلاء

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نواب صاحب کے مخالفین انہیں حکومت کی نظروں میں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ دوسری طرف گورنمنٹ کو جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں زبردست دھچکا لگ چکا تھا، اس لیے جس شخص کے بارے میں ذرّہ برابر بھی شبہ پیدا ہو جاتا، اس کے خلاف شدید سے شدید تر کارروائی سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔

انگریزی حکومت کے وکیل نے ازراہِ دشمنی ہندوستان کے حکّام کے پاس شکایت کی اور نواب صاحب

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ ص ۵۸

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ابجد العلوم ج ۳، ص ۶-۲۸۵

[2] ایضاً: ص ۲۸۷

پر درج ذیل الزامات لگاتے :

۱۔ یہ تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے اپنی بعض تالیفات میں جہاد کی ترغیب دی ہے۔

۲۔ وہ ہندوستان میں وہابی مذہب کی ترویج میں کوشاں ہیں اور اس مذہب والے ہیں، جن پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی تہمت لگائی گئی ہے اور انہیں جہاد کا بہت شوق ہے۔

۳۔ انہوں نے ملکہ بھوپال شاہجہان بیگم کو شرعی پردہ پر مجبور کیا ہے تاکہ نواب صاحب کو حکومت کے کلی اختیارات حاصل ہوجائیں، وغیرہ وغیرہ "[1] (ترجمہ)

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ، انگریزی حکام سے پردے کے بغیر ملاقاتیں کرتی تھی اور نواب صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں منع نہیں کرسکتے تھے نیز علی میاں (ابوالحسن علی ندوی) نے یہ بھی تصریح کردی کہ وہابیہ پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تہمت لگائی گئی تھی، حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نواب صاحب کی تصنیف ترجمانِ وہابیہ اور موائد العوائد وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کو ناجائز اور گناہِ کبیرہ قرار دیتے تھے۔

"جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی، بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔"[2]

اسی طرح وہ وہابی ہونے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں :

"جو لوگ ہند کے باشندوں کو وہابی ٹھہرا کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف

---

[1] ابوالحسن علی ندوی : نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۰

[2] صدیق حسن خاں بھوپالی : ترجمانِ وہابیہ ص ۱۵

منسوب کرتے ہیں، ان کی عقل پر خدا کی طرف سے پردہ پڑا ہوا ہے"[1] لیکن نوشتۂ تقدیر کون مٹا سکتا ہے۔ مخالفین کی شکائتیں رنگ لائیں اور ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں یہ کاروائی کی گئی :

فانتزعت منه القاب الامارة والشرف التی منحته ایاها الحکومة الانجلیزیة والغی الامر باطلاق المدافع تعظیما[2]

ان سے امارۃ اور عزّت کے القاب سلب کرلیے گئے جو انہیں انگریزی حکومت نے عطا کیے تھے اور ازراہِ تعظیم توپیں داغنے کا سلسلہ بھی ختم کردیا گیا۔

خُدا یاد آیا

اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ نواب صاحب دورِ نوابی میں فقہ اور تصوّف کے ائمہ کے حق میں سوءِ ظن رکھتے تھے، لیکن اب جو وہ سب کچھ قصّۂ پارینہ بن چکا تھا۔ ایسے عالم میں انسان کا رُجوع اللہ تعالیٰ اور اللہ والوں کی طرف ہوجاتا ہے یہی ان کے ساتھ بھی ہوا :

حتّٰی انه وفق بالتوبة عما کان علیه من سُوء الظن بائمة الفقه والتصوّف وکتب ذٰلك فی آخر مقالات الاحسان ومقامات العرفان وهو ترجمة فتوح الغیب للشیخ الامام عبدالقادر الجیلی رضی الله عنه وهو آخر مصنفاته ثم بعثه الی دار الطباعة فطبع و وصل الیه فی لیلة توفی الی رحمة الله سُبحانهٗ

---

[1] صدیق حسن خاں بھوپالی : ترجمانِ وہابیہ ص ۳۱

[2] ابوالحسن علی ندوی : نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۰

فی تلک اللیلۃ۔[1]

یہاں تک کہ انہیں فقہ وتصوّف کے ائمہ کے حق میں بدگمانی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ یہ بات انہوں نے "مقالات الاحسان ومقامات العرفان" کے آخر میں لکھی اور یہ شیخ، امام عبدالقادر جیلی رضی اللہ عنہ کی تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ ہے اور نواب صاحب کی آخری تصنیف، انہوں نے یہ کتاب پریس میں بھیج دی تھی اور اس رات چھپ کر پہنچی جس رات اُن کی وفات ہوئی۔

وفات

۱۹؍جُمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء کو نواب صاحب کی وفات ہوئی،

وقد صدر الامر من الحکومۃ الانجلیزیۃ ان یشیع ویدفن بتشریف لائق بالامراء واعیان الدولۃ کما کان لو بقیت لہ الالقاب الملوکیۃ والمراسیم الامیریۃ۔[2]

انگریزی حکومت نے حکم جاری کیا کہ انہیں نوابوں والی شان وشوکت کے ساتھ دفن کیا جاتے، جیسے اس وقت دفن کیا جاتا، جبکہ اُن کے شاہی القاب اور امیرانہ نشانات برقرار ہوتے۔

بحالی

ماہِ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں وفات کے پانچ ماہ بعد حکومت نے لقب "نواب" بحال کردیا۔

---

[1] عبدالحی لکھنوی، حکیم، نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۳-۱۹۲

[2] ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۱

وردت الیہ الحکومۃ لقب الامارۃ "نواب" فی سلخ ذی الحجۃ سنۃ سبع وثلاث مائۃ والف۔[1]

یعنی ایک بار پھر نواب صاحب انگریزی حکومت کے ہاں سرخرو قرار پاتے اور بغاوت و جہاد وغیرہ کے شبہات غلط ثابت ہوتے، نواب صاحب کی رُوح اُس وقت یہ کہہ رہی ہوگی ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

تصانیف

"نواب صاحب نے ۲۲۲ کتابیں لکھیں"[2]

ولکنہ لا تخلوا تصانیفہ عن اشیاء، اما تلخیص او تجرید او نقل من لسان الی لسان اٰخر۔[3]

لیکن ان کی تصانیف، تصنیف کے زمرے میں نہیں آتیں یا تو کسی کتاب کی تلخیص ہیں یا تجرید، یا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کی ہوئی ہیں۔"

دعوائے مجددیت

مولوی فضل حسین بہاری اہل حدیث لکھتے ہیں،

"نواب صدیق حسن خاں اور مولانا ابوالحسنات، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا، وہ دیکھ لے گا کہ اپنی اپنی زبان سے مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا۔"[4]

---

[1] ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۰

[2] ابویحیٰی خاں نوشہروی، تراجم علمائے حدیث ہند (سبحانی اکیڈمی لاہور) ص ۲۴۴

[3] عبدالحی لکھنوی، حکیم، نزہۃ الخواطر ج ۸، ص ۱۹۱

[4] فضل حسین بہاری الحیاۃ بعد المماۃ ص ۸ — ۲۱۷

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

معروف قلم کار اور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں بجنور میں پیدا ہوئے بجنور اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ دو سال کنجاہ، پنجاب میں مدرس رہے۔ پھر کانپور چلے آئے۔ تعزیراتِ ہند کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا؛

وكان يقع فى الحديث الشريف و فى رواته و يقول هم جهال لا يعرفون العلوم الحكمية ولامعانى الاحاديث الحقيقية۔[1]

حدیث شریف اور اُس کے راویوں پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جاہل تھے، علوم حکمیہ اور احادیث کے معانی حقیقیہ نہیں جانتے تھے

ترجمۂ قرآن

اُنہوں نے قرآن پاک کا اُردو ترجمہ کیا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، عربی اور اُردو میں مہارت کا دعویٰ رکھتے تھے؛

ويوخذ عليه انه قد يختار التعبير الذى لا يليق بالملك العلام وجلال الكلام لغرامه باستعمال ماجرى على لسان اهل اللغة وشاع فى محاورة بعضهم لبعض وقد يتورط بذالك فيما يثير

---

[1] عبدالحی لکھنوی حکیم؛ نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۴۹۴

عليه النقد واللائمة۔[1]

اُن پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ میں ایسے الفاظ لے آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور کلامِ الٰہی کی عظمت کے لائق نہیں ہیں، کیونکہ انہیں اہلِ زبان کے استعمالات اور اُن کے محاورات سے بہت شغف ہے، اس لیے وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کی بنا پر ان پر تنقید اور ملامت کی جاتی ہے۔

سر سید کے تعلیمی نظریات کے بڑے مؤید تھے۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں وہ دہلی میں رہے لیکن تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں؛

پرنسپل ٹیلر نے محمد حسین آزاد کے گھر پناہ لی۔ ذکاء اللہ اپنے محبوب استاد پروفیسر رام چندر کی حفاظت کے لیے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے اور نذیر احمد نے اپنے سسرال والوں کے تعاون سے ایک زخمی خاتون لیسنس کی جان بچائی ...... اگرچہ اس خیر خواہی کا سہرا خاندان کے دو بزرگوں (مولوی عبدالقادر اور مولوی نذیر حسین) کے سر ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس موقع پر نذیر احمد کی کارگزاری بھی کسی سے کم نہیں تھی۔"[3]

انگریز ہی سلطنت کے اہل ہیں

ڈپٹی صاحب ایک لیکچر میں کہتے ہیں؛

---

[1] ابوالحسن علی ندوی؛ نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۹۴

[2] اس لحاظ سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" بے نظیر ہے کہ اس میں تعظیم الوہیت اور احترامِ رسالت و نبوت کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے ۱۲ قادری

[3] افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر؛ مولوی نذیر احمد دہلوی (مجلسِ ترقی ادب، لاہور) ص ۸۰

"۱۸۵۷ء کے غدر میں، میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز بھلے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لیے سمندر میں ہو رہیں۔ یہی باغیان ناعاقبت اندیش برخود غلط، جو عملداری کے تنزل سے خوش ہیں، چند روز میں عاجز آکر بہ منت انگریزوں کو منا لائیں تو سہی۔ میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنتِ ہندوستان کے اہل ہیں۔"[1]

ایک لیکچر کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

- "ہماری سلطنت جاتی رہی تو خدا نے برٹش گورنمنٹ میں ہم کو اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہے۔
- لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا ......

پس ہم مسلمان تو مذہباً اطاعت حکام پر مجبور ہیں اور جو فعل موہم سرکشی ہو، ہمارے یہاں منہیات شرعیہ میں سے ہے۔

- انگریزوں کے ہم مسلمانانِ ہند پر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہلِ کتاب ہیں اور ہم سے عہدِ امن رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ کہ ان کی حکومت، حکومتِ صالحہ ہے۔
- انگریزوں کی حکومت اگر حکومت صالحہ نہ ہوتی، تاہم مستامن ہونے کی حیثیت سے ان کی خیر خواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا، فکیف جبکہ امن، آسائش اور آزادی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہے، اگر انگریز نہ آتے تو ہم کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔"[2]

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

---

[1] افتخار احمد صدیقی: مولوی نذیر احمد دہلوی ص ۱۵۶

[2] ایضاً، ص ۱۶۰

انہوں نے اپنے خطبات اور مذہبی تصانیف میں نہ صرف انگریزی حکومت کی اطاعت کی تلقین کی، بلکہ انگریزوں سے معاشرتی روابط پیدا کرنے کے حق میں بھی مذہبی دلائل پیش کیے۔"[1]

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ان الفاظ میں تلقین کرتے ہیں:

"آخر ہم ہندوؤں میں رہتے، ان سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں، تو انگریزوں کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ ہم کو دنیاوی ارتباط رکھنا چاہیے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے، کیونکہ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر، نبھ نہیں سکتا۔"[2]

انعام

ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب "مرآۃ العروس" پر حکومت نے گراں قدر انعام سے نوازا— مسٹر کیمپسن، ناظمِ تعلیمات صوبہ شمالی مغربی نے ان کی کتابیں دیکھیں، تو پسند کیں اور فرمائش کی کہ ان کی نقلیں میرے پاس بھیج دو:

> دو ماہ بعد انہوں نے اطلاع بھیجی کہ مرآت العروس ایک ہزار روپے کے اوّل انعام کے لیے حکومت کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ صوبے کے لیفٹیننٹ گورنر سر ولیم میور نے آگرہ کے دربار میں انعام سے نوازا، مصنّف کی عزت افزائی کے لیے اپنی جیب خاص سے ایک گھڑی مرحمت فرمائی۔ حکومت کی طرف سے کتاب کی دو ہزار جلدیں خریدی گئیں۔[3]

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے سر ولیم میور کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے چند

---

[1] افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: مولوی نذیر احمد دہلوی ص ۳۸۶

[2] ایضاً، ص ۱۵۹

[3] ایضاً، ص ۸۷

اشعار درج ذیل ہیں :

فانی اذا مارمت اظہار شکرکم
تقصر عنہ منطقی وبیانی
ولم ار قبلی قط من نال غایة
تخلف عنہا اہل کل زمان
نقودی فلی فی الفہ الف حاجة
قضاء دیون وافتکاك رہان
وغیرہما مالا اکاد اعدہا
وذا ساعتی صیغت من العقیان
اقلدہا جیدی لیعلم أننی
لسر ولیم فی ربقة الاحسان

میں جب آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، تو میری گفتگو اور قوتِ گویائی ساتھ نہیں دیتی۔

میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے اس سے پہلے وہ بلند مقام حاصل کیا ہو جس سے تمام اہلِ زمانہ پیچھے رہ گئے ہیں۔

ایک ہزار نقد میں میری ہزار حاجتیں ہیں، قرضوں کی ادائیگی اور رہن کی واگزاری۔

ان کے علاوہ بے شمار حاجتیں ہیں، اور یہ گھڑی ہے جو سونے سے بنائی گئی ہے میں اسے اپنی گردن میں لٹکا کر رکھوں گا تاکہ معلوم ہو کہ میں سر ولیم کے قلادۂ احسان میں ہوں۔

قاضی محمد سلیمان منصورپوری

قاضی صاحب سیشن جج پٹیالہ اور مصنف رحمۃ للعالمین نے ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کے پندرھویں سالانہ اجلاس آگرہ میں ایک طویل خطبہ دیا، جس میں کانفرنس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

مقصدِ ششم

"اس کانفرنس کا حکومت کی وفاداری کے ساتھ ساتھ دینی و دنیوی ترقّی کا انتظام کرنا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی مسلمان کبھی بغاوت یا مجرمانہ سازش یا معاندتِ سلطنت کا روادار نہیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حُکم وینہیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہنا چاہیے۔"[1]

مولوی ثناء اللہ امرتسری

مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی عبدالمنّان وزیرآبادی سے تعلیم پائی۔ دیوبند میں بھی پڑھتے رہے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے آخری کتابیں پڑھیں۔ تمام عمر امرتسر میں رہے۔ تقسیم کے بعد

---

[1] محمد سلیمان، منصورپوری، قاضی، خطباتِ سلیمان (مسلمان کمپنی، سوہدرہ، گوجرانوالہ) ص ۲۲۱

پاکستان آگئے۔ ۲۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔[1]

تفسیر یا تحریف؟

ان کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن عربی نے خوب شہرت پائی، اُن کے ہم مسلک اہل حدیث علماء نے اس تفسیر پر سخت تنقید کی۔ مولوی عبدالحیٔ مؤرخ لکھتے ہیں:

وقد تعقب علیه بعض العلماء[2]

بعض علماء نے اس پر تعاقب کیا ہے

یہ تعاقب اتنا سرسری نہیں تھا، جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے مسلّم عالم مولوی عبداللہ غزنوی کے شاگرد مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک رسالہ الاربعین میں چالیس ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو ان کے نزدیک قابلِ اعتراض تھے۔ اس تفسیر کے بارے میں ان کے تاثرات یہ ہیں:

”الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط، بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔“[3]

حقیقت میں یہ بے انصاف، ناحق شناس، بدنام کنندۂ نکو نامے چند ناحق اہل حدیث کو بدنام کر رہا ہے، بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔ فلاسفہ اور نیچریوں اور معتزلہ کا مقلّد ہے ناسخ و منسوخ، تقدیر، معجزات، کرامات، صفاتِ باری، دیدارِ الٰہی، میزان، عذاب قبر، عرش، لوح محفوظ، دابۃ الارض، طلوع شمس از مغرب وغیرہ وغیرہ

---

[1] عبدالحیٔ، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۹۵ - ۶

[2] ایضاً: ص ۹۵

[3] عبدالحق غزنوی: الاربعین (لاہور پرنٹنگ پریس لاہور) ص ۳

جو اہل سنت میں مسائل اعتقادیہ اجماعیہ ہیں اور آیاتِ قرآنیہ اُن پر شاہد ہیں اور علماء اہل سُنت نے اپنی تفاسیر میں بالاتفاق جن آیات کی تفسیر ان مسائل کے ساتھ کی ہے۔ انہوں نے اُن سب آیتوں کو بتقلید کفرۂ یونان و فرقۂ ضالہ معتزلہ و قدریہ و جہمیہ خذلھم اللہ محرف و مبدل کر کے سبیل مؤمنین کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّٰی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا کا مصداق بنایا۔“[1]

یہ صرف مولوی عبدالحق غزنوی کی ذاتی رائے نہیں ہے۔ لاہور، امرتسر، راولپنڈی، ملتان، مدراس اور دیوبند وغیرہ کے چوراسی ذمّہ دار علماء نے اپنی تقریظوں میں الاربعین کی تائید کرتے ہوئے اس تفسیر کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور متقدمین کی تفاسیر کے مخالف قرار دیا ہے، ان میں اکثریت علماء اہل حدیث کی ہے۔ یہ تمام تقریظیں الاربعین میں شامل کر دی گئی ہیں۔

اہل حدیث کے امام مولوی عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں:

”مولوی مذکور نے اپنی تفسیر میں بہت جگہ تفسیر نبوی اور تفاسیر خیر قرون اور تفاسیر اہل سنت و جماعت کو چھوڑ کر تفسیر جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ فرق ضالہ کو اختیار کیا...... باایں ہمہ اہل سنت و جماعت بلکہ اہل سُنت میں فرقہ اہل حدیث کا دعویٰ کرنا اس کی دھوکہ دہی اور ابلہ فریبی ہے، بلکہ اہل حدیث تو درکنار اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔“[2]

اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”تفسیر امرتسری کو تفسیرِ مرزائی کہا جائے تو بجا ہے، تفسیر چکڑالوی کا خطاب

---

[1] عبدالحق غزنوی: الاربعین ص ۵

[2] ایضاً الاربعین ص ۲۷

دیا جائے تو روا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا مصنف اس تفسیر سراپا الحاد و تحریف میں پورا مرزائی، پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔"[1]

اسی پر بس نہیں ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تجویز پر یہ مقدمہ سعودی عرب کے بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ نے اپنے علماً کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے الاربعین کی تائید کی اور امرتسری صاحب کو تائب ہونے کے لیے کہا۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان آل بلیہد نے اپنی رائے اس انداز میں ظاہر کی،

"میں نے ان کو اہل حدیث اور اہل سنت کے مذہب و مسلک کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی، مگر باوجود ان سب باتوں کے انہوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا اور معاندانہ روش اختیار کی[2] (ترجمہ)

ریاض کے قاضی شیخ محمد بن عبداللطیف آل شیخ نے لکھا،

"نہ تو مولوی ثناء اللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی اقتداء جائز ہے اور نہ اس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات روایت کی جائے اور نہ اس کی امامت صحیح ہے، میں نے اس پر حجت قائم کر دی، مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ پس اس کے کفر اور مرتد ہونے میں شک نہیں۔"[3]

مولوی عبدالاحد خانپوری، اہل حدیث لکھتے ہیں،

"اور ثناء اللہ ملحد زندیق کا دین اللہ کا دین نہیں ہے، اس کا کچھ دین تو فلاسفہ دہریہ نماردہ[4] صائبین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن

---

[1] عبدالحق غزنوی، الاربعین ص ۴۳

[2] عبدالعزیز، فیصلہ مکہ (جمعیۃ مرکزیہ اہل حدیث ہند، لاہور) ص ۱۵

[3] ایضاً، ص ۱۷

[4] نمرود کی جمع، بمعنی سرکش

ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کچھ دین اس کا ابوجہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پس وہ بحکم قرآن واجب القتل ہے۔"[1]

یہ سب اہل حدیث کے ذمہ دار اور مستند علماء کے فتوے ہیں، مگر موجودہ دور کے اہل حدیث کے نزدیک وہ مسلّم شیخ الاسلام ہیں:

"اہل حدیث امرتسر کے نامور مدیر شیخ الاسلام حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ"[2]

اب سوال یہ ہے کہ کیا امرتسری صاحب نے اپنے ان اقوال سے توبہ کر لی تھی جن کی بناء پر مذکورہ بالا فتوے لگائے گئے تھے اور اگر نہیں تو شیخ الاسلام کے معزز ترین لقب ہی کا پاس کیا ہوتا؟

مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز

امرتسری صاحب مرزائیوں سے مناظرہ اور مقابلہ کرتے رہے، لیکن مرزائیوں کے بارے میں اُن کا موقف کیا تھا؟ مولوی عبدالعزیز، سیکرٹری جمعیۃ مرکزیہ اہل حدیث، ہند کی زبانی سنیئے مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی، آپ مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے فتویٰ دیا کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے، اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے مرزائیوں کی عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا۔ اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں ہوتے؟"[3]

---

[1] عبدالاحد خانپوری، الفیصلۃ الحجازیۃ السلطانیۃ (امان عرب برقی پریس راولپنڈی) ص ۸

[2] ظہیر، مرزائیت اور اسلام ص ۱۴۸

ب ایضاً، ص ۱۸۱

[3] عبدالعزیز، فیصلہ مکہ ص ۳۶

اس کے باوجود اگر انہیں "شیخ الاسلام" قرار دینے پر اصرار ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا اسلام ہے؟ خدا اور رسول کا اسلام تو ہو نہیں سکتا۔

آخر میں برٹش گورنمنٹ کے بارے میں اُن کا نظریہ بھی دیکھ لیجیے۔

غلام رسول مہر اہل حدیث لکھتے ہیں:

> "۱۹۲۲ء میں ایک اجتماع کا انتظام ہوا اور اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری بھی شریک تھے۔ وہ اہل حدیث کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے ہمیں کانفرنس کے اغراض و مقاصد دیئے، تو اُن میں پہلی شق یہ تھی:
>
> "حکومتِ برطانیہ سے وفاداری"
>
> ہم نے عرض کیا کہ مولانا اسے تو نکال دیجیے۔ ہم ترکِ موالات کیے بیٹھے ہیں، تو وہ سخت غصے میں آگئے، لیکن اکثریت نے یہ شق نکلوادی۔" [1]

خیال فرمایا آپ نے کہ حکومتِ برطانیہ کی وفاداری کس قدر عزیز تھی؟ اکثریت نے اگرچہ یہ شق نکلوادی، مگر امرتسری صاحب آخر تک اس شق کے حذف کرنے کو قبول نہ کرسکے، پھر اس شق کا نکلوا دینا بھی محلِ غور ہے، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرھویں میں جو آگرہ میں منعقد ہوا تھا — قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنے خطبہ میں کانفرنس کا چھٹا مقصد حکومت کی وفاداری کو قرار دیا تھا۔

اُجلی پیشانیاں

گزشتہ اوراق میں سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل دہلوی، میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولوی ثناء اللہ امرتسری وغیرہم زعماء اہل حدیث کے انگریزی حکومت سے روابط و مراسم

---

[1] غلام رسول مہر: افاداتِ مہر (مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر پنی)، ص ۲۳۶

اور وفاداری کے عہد و پیمان، ناقابلِ انکار شواہد اور حوالہ جات سے بیان کیے گئے ہیں، جن سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی اُجلی پیشانیوں اور درخشندہ جبینوں پر انگریز دشمنی کا داغ تک نہیں ہے۔ ان پر انگریز دشمنی کا الزام لگانے والا اُن کا دشمن تو ہو سکتا ہے، خیر خواہ اور عقیدت مند ہرگز نہیں ہو سکتا۔

برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان

مولوی عبد الرحیم عظیم آبادی نے "الدرالمنثور فی تراجم اہلِ صادقفور" میں حکومتِ برطانیہ سے شمس العلماء یا خان بہادر کا خطاب پانے والے جن علماء اہل حدیث کا ذکر کیا، اُن کی فہرست پہلے ایڈیشن کے ٹائیٹل کے اندرونی صفحے پر دی ہے اور انگریزی حکومت کو گورنمنٹ عالیہ عادلہ کے القاب سے یاد کیا ہے اور حق شکر گزاری اس طرح ادا کیا ہے:

> "خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لیے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزاحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے، پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرماں بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دُعاگوئے سلطنت رہیں، فتدبر و تفکر ولا تکن من الغافلین" [1]

اگلے صفحے پر اس فہرست کا عکس ملاحظہ ہو، یاد رہے کہ یہ صرف وہ خطاب یافتہ اہل حدیث ہیں، جن کا ذکر "الدرالمنثور" میں ہوا ہے، ورنہ تتبع اور تلاش سے یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے۔

---

[1] عبد الرحیم عظیم آبادی، الدرالمنثور (دار الطابع، کلکتہ پہلا ایڈیشن) ٹائیٹل ص ۲

اندھیرے سے اجالے تک
اور
شیشے کے گھر

ارباب علم و صحافت کی نظر میں

ترتیب
ممتاز احمد سدیدی

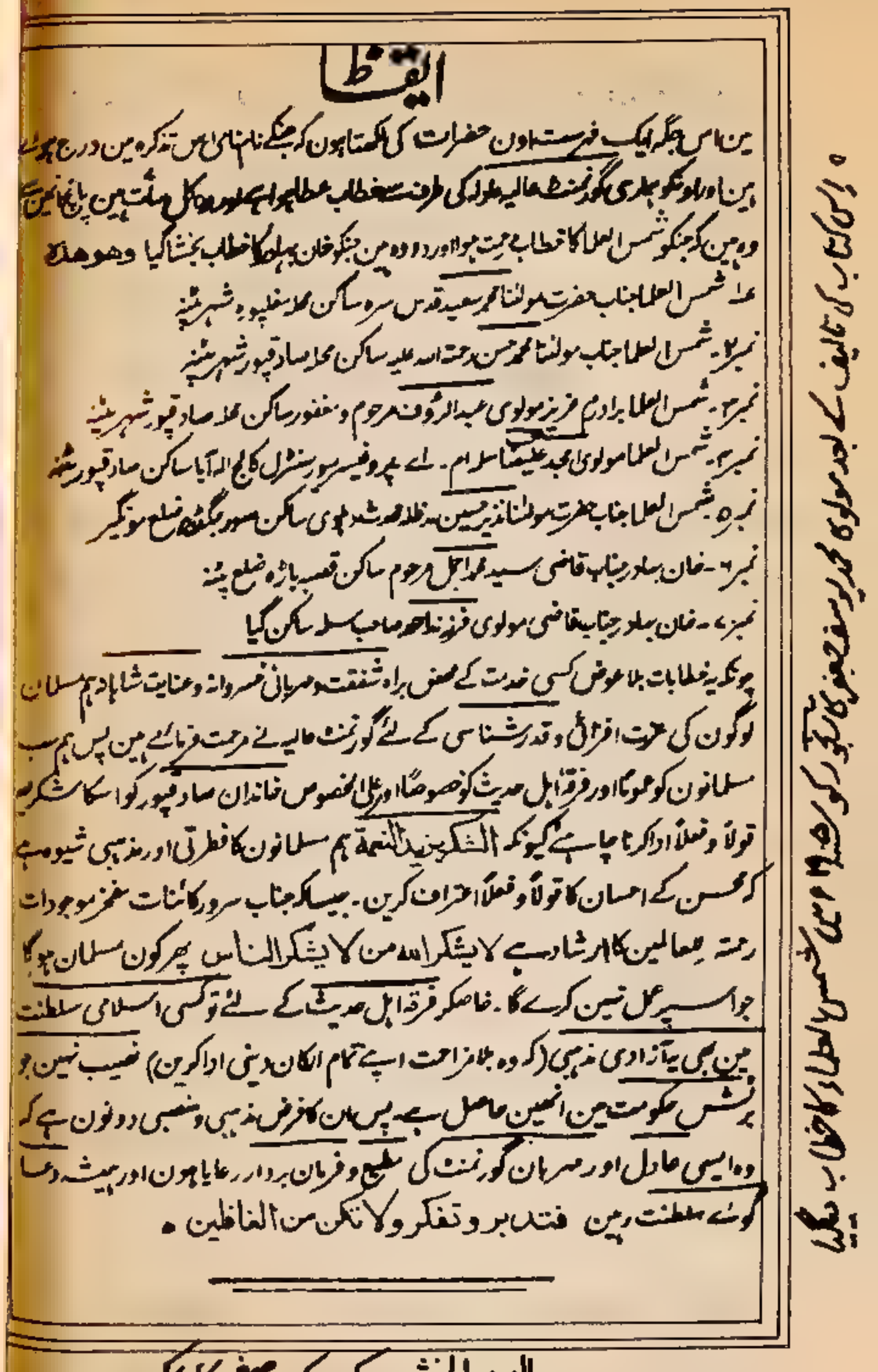

ایقاظ

مین اس جگہ ایک فہرست اون حضرات کی لکھتا ہون کہ جنکے نام نامی اس تذکرہ مین درج ہوئے ہین اور اونکو ہماری گورنمنٹ عالیہ علولہ کی طرف سے خطاب عطا ہوا ہے وہ کل سات ہین پانچ ہین وہ ہین کہ جنکو شمس العلما کا خطاب مرحمت ہوا اور دو وہ مین جنکو خان بہادر کا خطاب بخشا گیا وھو ھذہ

نمبر ۱۔ شمس العلما جناب حضرت مولانا محمد سعید قدس سرہ ساکن محلہ مغلپورہ شہر پٹنہ
نمبر ۲۔ شمس العلما جناب مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ ساکن محلہ صادقپور شہر پٹنہ
نمبر ۳۔ شمس العلما برادرم عزیز مولوی عبد الرؤف مرحوم و مغفور ساکن محلہ صادقپور شہر پٹنہ
نمبر ۴۔ شمس العلما مولوی محمد علیم صاحب ایم۔ اے پروفیسر میور سنٹرل کالج الہ آباد ساکن صادقپور پٹنہ
نمبر ۵۔ شمس العلما جناب حضرت مولانا نذیر حسین مدظلہ محدث دہلوی ساکن سورجگڈھ ضلع مونگیر
نمبر ۶۔ خان بہادر جناب قاضی سید محمد اجل مرحوم ساکن قصبہ باڑہ ضلع پٹنہ
نمبر ۷۔ خان بہادر جناب قاضی مولوی فرزند احمد صاحب سلمہ ساکن گیا

چونکہ یہ خطابات بلا عوض کسی خدمت کے محض براہ شفقت و مہربانی خسروانہ و عنایت شاہانہ ہم مسلمان لوگون کی عزت افزائی و قدر شناسی کے لئے گورنمنٹ عالیہ نے مرحمت فرمائے ہین پس ہم سب مسلمانون کو عموماً اور فرقہ اہل حدیث کو خصوصاً و علی الخصوص خاندان صادقپور کو اسکا شکریہ قولاً و فعلاً ادا کرنا چاہیے کیونکہ الشکر یزید النعمۃ ہم مسلمانون کا فطرتی اور مذہبی شیوہ ہے کہ محسن کے احسان کا قولاً و فعلاً اعتراف کرین۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات رحمۃ للعالمین کا ارشاد ہے لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس پھر کون مسلمان ہو گا جو اسپر عمل نہین کرے گا۔ خاصکر فرقہ اہل حدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت مین بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزاحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کرین) نصیب نہین جو برٹش حکومت مین انہین حاصل ہے۔ پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونون ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرمان بردار رعایا ہون اور ہمیشہ دعا گوئے سلطنت رہین فتدبر و تفکر و لا تکن من الغافلین ۔

٥ اس کتاب کی تالیف کے بعد مولوی محمد یوسف جعفری رنجور کو ۱۹۰۵ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا

الدر المنثور کے ایک صفحے کا عکس

حضرت علامہ مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محبِّ محترم مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ اہلِ سنّت کی قابلِ قدر شخصیت ہیں، وہ اپنی ذات کو درس وتدریس، تالیف وتصنیف کے لیے وقف کر چکے ہیں، مولانا موصوف مصروف ترین اور ہمہ گیر شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں کے تراجم اور حواشی لکھ چکے ہیں اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم وفضل کا بیّن ثبوت ہیں؛ ایک عالم متقی ہونے کے ساتھ خاموش طبع بھی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اندھیرے سے اجالے تک میں مولانا نے اغیار کی ملمع کا پردہ چاک کر دیا اور اپنی شستہ تحریر میں حقائق کو واشگاف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ امام احمد رضا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ بالکل بے سروپا اور اور غلط ہیں اور چلتی پھرتی روایتوں اور افواہوں کا بھی قلع قمع کر دیا اور انصاف کے دامن سے وابستہ رہتے ہوئے ہر بات پر قول باحوالہ درج کر دیا۔

بہرحال مولانا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے حقیقت میں اس کا حق ادا کر دیا ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ جل جلالہ بطفیل سید عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ مسلک اہل سنّت کی تبلیغ واشاعت کی مزید توفیق عطا فرمائے

فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ
جامعہ راشدیہ، پیر گوٹھ، خیر پور
(سندھ)

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ
۱۵ر جنوری ۱۹۸۸ء

افسوس کہ حضرت اقدس ۳ رجب المرجب ۲۲ فروری ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء کو دار فانی سے رحلت

غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالےٰ

(ملتان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اعلیٰ حضرت مجدّدِ ملّت الامام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اور مسلکِ اہل سنّت کی طرف سے عامّۃ المسلمین کو بدظن کرنے کی جو مہم معاندین کی طرف سے شکم پروری کی خاطر عرصہ دراز سے چلائی گئی اس کی بنیاد دروغ گوئی اور الزام تراشی کے سوا اور کچھ نہ تھی جب وہ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں مضمحل ہو کر دم توڑنے لگی تو اچانک سعودی خزانوں کے دہانے کھل گئے ریالوں کی بھرمار شروع ہو گئی۔ پھر کیا تھا یار لوگوں نے خوب ہاتھ رنگے اور شکم پروری کے اس موقع سے جی بھر کے فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ملک اور بیرون ملک اس مذموم مہم کو بڑی تیزی سے چلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سعی نامسعود کا نتیجہ رسوائے زمانہ کتاب "البریلویۃ" ہے جس کے بدباطن مؤلّف نے اعلیٰ حضرت پر جھوٹے الزام لگائے اور مسلکِ اہلِ سنّت کو مسخ کر کے کفر وشرک اور بدعت وضلالت کی صورت میں پیش کیا حقائق ثابتہ کو دجل وفریب کے پردوں اور چمکتی ہوئی صداقتوں کو شکوک و اوہام کی تاریکیوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی مگر بفحوائے "ہر فرعون را موسیٰ" اللہ تعالےٰ کی توفیق سے فاضلِ جلیل حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری میدان میں آئے اور انہوں نے اس کے ردّ میں "اندھیرے سے اجالے تک" کتاب لکھی جو اسم بامسمّٰی ہے حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنّف نے مؤلف البریلویۃ کے مکر وفریب اور دجل کے تمام پردوں کو چاک کر دیا اور علم ویقین کے نور سے شکوک و

اوہام کی ظلمتوں کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ اس کا جو حصّہ سامنے آیا ہے اس کے پڑھنے سے یقیناً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم اندھیرے سے اجالے تک پہنچ گئے۔ مصنّفِ ممدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ مدلل اور مسکت جوابات دیئے ہیں، انتہائی سلیس اور پاکیزہ اندازِ بیاں ہے۔ تحقیق اور انصاف کی روشنی میں اگر یہ کتاب پڑھی جائے تو پڑھنے والا بیساختہ کہنے کا حق یہی ہے جو "اندھیرے سے اجالے تک" کتاب کے مصنّف نے لکھا۔

فاضلِ محترم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مستحقِ تحسین و آفریں ہیں کہ انہوں نے یہ بے نظیر کتاب لکھ کر حقائق کے چہروں سے نقاب اٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس تصنیف کو شرفِ قبول عطا فرمائے اور انہیں ان خدمات کے لیے زندہ و سلامت رکھے۔ آمین

سید احمد سعید کاظمی، ۵ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۸۶ء [1]

حکیم محمد سعید دہلوی
ہمدرد منزل۔ کراچی ۵

محترم جناب محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کی مرسلہ کتابیں (۱) اندھیرے سے اجالے تک (۲) حیات امام اہل سنّت (۳) اجالا (۴) امام احمد رضا بریلوی اپنوں اور غیروں کی نظر میں (۵) سلام رضا (۶) بہار شباب مع سوانح حیات (۷) قادیانی مرتد پر خدائی تلوار، ملیں۔

---

[1] افسوس کہ حضرت غزالیٔ زماں قدس سرہ ۲۵ رمضان المبارک ۴ جون ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ

آپ کے ان تحائف کا شکریہ!

ساری کتابیں معلومات افزا ہیں اور ان سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے حالات و سوانح اور ان کے علمی کارناموں پر اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے

دعا ہے کہ ان کتابوں کو قبول عام نصیب ہو! آمین!

آپ کی اس کرم فرمائی کا شکریہ مکرر

امید ہے کہ مزاج بہ عافیت ہوگا۔

بہ احترامات فراواں

۷ ذیقعد ۱۴۰۶ھ — آپ کا مخلص

۱۵ جولائی ۱۹۸۶ء — حکیم محمد سعید

مولانا محمد احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

"اندھیرے سے اجالے تک" آپ کا عظیم جماعتی اور علمی و تاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی — اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں :-

۱۔ البریلویۃ (احسان الٰہی ظہیر) کے ہر الزام کا جواب بسط و شرح سے پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات و خدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تارِ عنکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی بھی حامل ہے

۳۔ البریلویۃ کے افتراءات کا جواب بڑی ہی بردباری، علمی متانت، عقل

سنجیدگی اور حوالوں کی پختگی کے ساتھ دیا گیا ہے، میری نظر میں یہ آپ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے — ورنہ ظہیر نے جس عیاری و بے باکی کے ساتھ حقائق کو مسخ کرنے اور شخصیت کی مکروہ تصویر بنانے کی ناروا کوشش کی ہے وہ امام احمد رضا کے ہر معتقد کو شعلۂ قلم بنانے کے لیے کافی ہے۔

سو سال بلکہ زیادہ عرصہ سے قادیانی، رافضی، نیچری، غیر مقلد، دیوبندی سبھی فرقے امام احمد رضا کے سخت مخالف ہیں، لیکن مخالفت، تعصب اور عناد کے باوجود امام احمد رضا کی فقہی مہارت، غیر معمولی ذہانت، قوتِ تحریر اور مختلف علوم و فنون میں کمال کے معترف رہے ہیں — لیکن احسان الٰہی ظہیر وہ پہلا شخص ہے جسے عناد و تعصب میں اس مرتبۂ کمال تک ترقی ہوئی کہ امام احمد رضا کو "سیئ الحافظ غائب لدماغ" لکھا اور ان کی تصانیف کو ان کے متعلقین اور تلامذہ کا کارنامہ شمار کیا — آخر ان متعلقین اور تلامذہ نے امام احمد رضا کے بعد یا انکی زندگی ہی میں کوئی ایک ہی کتاب ان کے معیار کی لکھی ہوتی، ان کے لیے کون سا مانع تھا؟ جب وہ خود اپنے نام سے اپنی کتابیں شائع کرتے ہیں تو وہ بلندیٔ فکر و استدلال نہیں ملتی جو امام احمد رضا کی کتابوں میں ہے۔

۴۔ اندھیرے سے اجالے تک کے تمام حوالے انتہائی دیانت داری سے پیش کیے گئے ہیں اور جملہ مندرجات کے مآخذ موجود ہیں، جب کہ البریلویہ میں بغیر کسی حوالہ کے امام رضا کے ابتدائی استاد مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کو قادیانی کا بھائی بنا دیا ہے اور جگہ جگہ حوالے تو دیئے ہیں لیکن عبارت بالکل مختلف ہے، اصل میں کچھ ہے اور البریلویہ میں کچھ۔

خدا کا شکر ہے کہ اہلِ سنّت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتے ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور معاند کی پُر تعصب کاوشِ فکر و قلم خاک

میں مل کر رہ جاتی ہے۔

۵۔ آپ کی کتاب اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ استطراد سے خالی ہے اور ایجاز و حسنِ بیان سے آراستہ ہے، حوالے اور دلائل زیادہ ہیں اور بے ضرورت خامہ فرسائی بالکل نہیں۔

۶ کتاب کی کتابت اور تصحیح بھی بہت عمدہ ہے — جب کہ اس زمانہ میں اکثر کتابیں اغلاطِ کتابت کی خاصی مقدار لیے ہوتی ہیں، غالباً پروف پر آپ کی بھی نظر گزری ہے۔

آپ نے اہلِ سنّت کو ایک عظیم فرض کفایہ سے سبکدوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے — رب کریم آپ کو ہم تمام سنیوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اور اس کتاب کے عربی ایڈیشن اور دیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن و اکمل طور پر بہت جلد فرمائے

دوشنبہ ۴؍ ربیع النور ۱۴۰۶ھ
۱۸؍ نومبر ۱۹۸۵ء

محمد احمد مصباحی بھیروی
رکن المجمع الاسلامی، فیض العلوم
محمد آباد، گوہنہ، اعظم گڑھ، یو۔ پی

پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل

گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ (سندھ)

نوازش نامہ اور تحفۂ انیقہ موصول ہوئے۔ آپ نے بڑی محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا، جزاکم اللّٰہ! — مدلل، محقق، مختصر نگارشات دورِ جدید کا تقاضا ہیں، آپ نے اس تقاضے کو بحسن و خوبی پورا فرمایا، آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ مولیٰ تعالےٰ دارین میں اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے آمین — آپ جن حالات میں کام کر رہے ہیں، اُن حالات میں اہلِ عزیمت ہی کام کرتے ہیں مولیٰ تعالےٰ آپ کو ہمت و استقامت عطا فرمائے آمین!

آپ ان ممتاز اہلِ قلم میں سے ایک ہیں جن سے فقیر استفادہ کرتا ہے ۔ آپ کی مساعی لائق تحسین و آفریں ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۴ ار نومبر ۱۹۸۵ء

مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث ، سیال شریف

جناب کے مرسلہ دو عدد عطیتے اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئے ، بہت مستحسن کوشش ہے اور انتہائی محتاط انداز بیان ۔ اللہ تعالےٰ مزید برکات سے بہرہ ور فرمائے اور خدمت دین قوم کی توفیقِ رفیق خیر رفیق

ملک شبیر محمد خاں ، کالا باغ

آپ کی ارسال کردہ کتاب موسومہ اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئی ، جس کے لیے اعماقِ قلب سے ممنون ہوں ۔ میں اس کتاب کی طباعت کا منتظر تھا ۔ کتاب موصول ہوتے ہی ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی ۔ فاضل مؤلف نے البریلویۃ کے تمام اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں ۔ انداز بیان دلکش ، سنجیدہ اور مہذب ہے ۔ فاضل مؤلف کے لیے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

والسلام خیر طلب

۲۴ر اکتوبر ۸۵ء شبیر محمد خاں[1]

---

[1] افسوس کہ ملک صاحب ۱۳ر جمادی الثانیہ ۲۳ر فروری ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

مترجم کتب حدیث — لاہور

اندھیرے سے اجالے تک ، ندائے یا رسول اللہ اور مجموعۂ رسائل متعلقہ ردّ روافض ، یہ تینوں آپ کی نگارشات بغور دیکھیں اور دوران مطالعہ بار بار آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں — جزاک اللہ فی الدارین خیراً "علامہ" احسان الٰہی ظہیر صاحب کے الزامات کا جس عالمانہ اور فاضلانہ شان سے بے سروپا ہونا ثابت کیا ہے اور جس طرح مُسکت جوابات دیئے ہیں ان کے باعث آپ جملہ اہل سنّت و جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں ۔ اپنی اس کاوش اور سعیِ مشکور کے باعث آپ نے اپنے رضوی ہونے کا منہ بولتا ثبوت فراہم کر دیا ہے

۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ اختر شاہجہان پوری مظہری

۱۳ر مئی ۱۹۸۶ء

پروفیسر محمد ارشد ، لیکچرر شعبۂ تاریخ

کیڈٹ کالج ، حسن ابدال ....

چند دن پہلے آپ کی کتاب شیشے کے گھر دیکھنے کا اتفاق ہوا ، اپنے موضوع پر بہت اچھی اور لائق تحسین کوشش ہے ۔ اندھیرے سے اجالے تک آپ کی دوسری نسبتاً زیادہ ضخیم کتاب بھی پڑھ چکا ہوں ۔ البریلویۃ کا بہت چرچا سنا تھا راقم الحروف کو عربی پر دسترس نہیں ہے ۔ اس لیے خود تو اس کا مطالعہ نہ کر سکا تھا اب آپ کی کتاب اندھیرے سے اجالے تک نے جو اس فریب کا پردہ چاک کیا ہے تو معلوم ہوا کہ البریلویۃ کے مؤلف کتنی کھلی کھلی بد دیانتیوں کے مرتکب ہوئے ہیں جو ایک عالم دین تو کیا ایک شریف النسان سے بھی متوقع نہیں ہوتیں

مخلص : محمد ارشد

۳۰ر جون ۱۹۸۶ء

علامہ اقبال احمد فاروقی ، لاہور

غیر مقلدین کے خطیب و ادیب علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے اپنی بیمار عربی زبان میں البریلویۃ لکھ کر وادیٔ نجد کے نوکیلے ذہنوں کو خوش کر دیا تھا۔ اس کتاب کی غلط بیانیوں کو ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمد عبدالحکیم شرف نے اندھیرے سے اجالے تک میں آڑے ہاتھوں لیا، یہ کتاب نظریاتی افق پر ایک لطیف اجالا بکھیرتی ہوئی آئی۔

محمد عالم مختار حق ـــ لاہور

اندھیرے سے اجالے تک کا کئی دن ہوئے مطالعہ کر چکا ہوں اور اس انتظار میں تھا کہ اس کا حصہ دوم بھی نظر نواز ہو تو مطالعہ کے بعد اپنی گزارشات پیش کروں، مگر دوسرا حصہ غالباً ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آیا۔ آپ نے جس انداز سے احسان الٰہی ظہیر صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب البریلویۃ کا تعاقب کیا ہے میں اس پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں، آپ نے غنیم کے مورچوں کو ہی صرف تہس نہس نہیں کیا بلکہ دشمن کے علاقہ میں گھس کر اسے ہینڈز اپ کرنے پر مجبور کر دیا اور احسان الٰہی صاحب نے البریلویۃ میں اپنی عربی دانی کا جو قلعہ تعمیر کیا تھا اسے اسکے اندرونی دوستوں کی معاونت ہی سے منہدم کر دیا۔ میری مراد اس اسلحہ سے ہے جو آپ کو ہفت روزہ اہل حدیث کے شماروں سے ملا، اسے کہتے ہیں اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، مگر میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ کتاب کی اندرونی شہادتوں سے آپ نے احسان صاحب کے مبلغ علم کا جو پول کھولا ہے اور اس طرح جو اسے زخم پہنچائے ہیں وہ مدتوں ان کو سہلاتے رہیں گے ـــ البتہ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ

آپ کی کتاب میں بھی اردو میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جن میں گو اکثر غلط العوام ہیں مگر فریق مخالف کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تو آسکتا ہے

۲۱ر جنوری ۸۶ء آپ کا محمد عالم

اراؤ سلطان مجاہد الطاہری

سینئر سول انجینئر .... اوکاڑا

آپ کی مختلف کتابیں نظر سے گزری ہیں، مرکزی مجلس رضا کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہی ہیں، ہمارے مسلک میں آپ ان مصنفین میں شمار کیے جا سکتے ہیں جن کی تحریریں ہلکے اور بازاری الفاظ سے مبرا ہیں، دراصل آج کے دور میں یہی تحریریں قابل قبول و ستائش رہ گئی ہیں، آپ ایسے مصنفین ہمارے لیے قابلِ فخر سرمایہ ہیں، جن کی نگارشات ہر طبقہ میں پسند کی جائیں۔ پر اثر ہوں ـــ ہم نے صرف اپنا نقطۂ نظر پیش کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں پر بے جا تنقید اور بے مقصد حملے دراصل صحیح موقف کو کمزور کر دیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں میں یہ تحریریں آج کل نفرت کی علامت سمجھی جاتی ہیں، ماشاء اللہ! آپ کی تحریریں ان آلائشوں سے پاک ہیں، اللہ تعالےٰ نے یہ نعمت آپ کو دی ہے۔ اس کا شکر ہے اور آپ کو مبارک ہو

۹ر فروری ۸۶ء آپ کا اسلامی ساتھی

سلطان مجاہد الطاہری

سیّد محمد ریاست علی قادری

بانی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

اندھیرے سے اجالے تک پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ہے اگر یہ کتاب جدید عربی میں ترجمہ ہوگئی تو بہت مفید ہوگی، یہاں ہندوست

کرلیا ہے۔ آپ اپنی رائے سے مطلع کیجئے :

ماشاء اللہ ! بہت خوب لکھی ہے، ہم تمام عقیدتمندان اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں

سید ریاست علی قادری

غلام مرتضیٰ سعیدی

فروکہ ..... ضلع سرگودھا

میری طرف سے اپنی بے نظیر تصنیف اندھیرے سے اجالے تک کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمائیے ـــــ بندہ ایک طالب علم اور انجمن طلباء اسلام کا ایک ادنیٰ سا رکن ہے اس لیے جناب کے اس شہ پارے پر تبصرہ کرنا بندہ کے بس کی بات نہیں ہے مگر اتنا ضرور عرض ہے کہ آپ نے زبان زیادہ نرم استعمال کی ہے شاید آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ثمر ہو، مگر جو زبان البریلویۃ میں استعمال کی گئی ہے میرے خیال میں زبان ایسی ہی ہونی چاہیے تھی میں نے مذکورہ بالا کتاب نہیں پڑھی مگر جہاں کہیں آپ نے حوالہ جات نقل کیے ہیں تو اس عبارت کو پڑھ کر قلب و باطن میں اک آگ سی لگ جاتی ہے اور جواب دینے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ اس دروغ گو کی زبان کاٹ دی جائے

غلام مرتضیٰ سعیدی

جرائد

احسان الٰہی ظہیر

سوال : کیا پاکستان میں بریلوی علماء کی طرف سے (البریلویۃ کے) جواب میں کوئی

کتاب نہیں لکھی گئی ؟

جواب : صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں دلیل کے ساتھ کوئی بات نہیں کی گئی تھی، محض دشنام طرازی سے کام لیا گیا تھا۔ مجھے اس پر حیرت بھی ہے کہ چار برس میں پورا عالم بریلویت میری اس کتاب کا جواب نہیں دے سکا ہے۔ حالانکہ ان میں بڑے بڑے مبشرات کے حاملین بھی شامل ہیں جن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ انہیں بشارتیں ملتی ہیں اور بہت سے ایسے تیس مار خاں بھی ان میں شامل ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ ہرگز نہیں جلتا کسی نے مجھے جواب دینے کی جرأت نہیں کی ہے

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، شمارہ فروری ۱۹۸۷ء ص ۳۴)

مولانا ابوداؤد محمد صادق

سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ

جن پمفلٹوں کا ظہیر صاحب نے ذکر کیا ہے ان میں دشنام طرازی نہیں کی گئی بلکہ خود ان کی دشنام طرازی و غلط بیانی کو بطور نمونہ مشتے از خروارے بیان کیا گیا ہے لہٰذا انہیں چاہیے تھا کہ اگر ان (پمفلٹوں) کی ایک ہی غلط بیانی ہوتی تو اس کی بھی صفائی پیش کرتے یا اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ مذکورہ پمفلٹوں کے جواب میں ان کی خاموشی نے ان کی ذات اور کتاب دونوں کو مشکوک و داغدار کر دیا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کا کھلم کھلا رد و جواب اس لیے شائع نہیں کیا گیا کہ اس کتاب پہ پابندی کی خبر آگئی تھی اور اس پر فرقۂ وہابیہ نے سخت واویلا بھی کیا تھا لہٰذا ظاہر ہے کہ پابندی کی خبر کے بعد جواب کی اشاعت پر بھی اثر پڑتا

تیسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کے مختلف پہلوؤں کے رد میں مولانا عبدالحکیم

شرف صاحب نے اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر، ندائے یارسول اللہ جیسے مختلف عنوانات سے جواب شائع کیا ہے جس میں محض دلیل و متانت سے گفتگو کی گئی ہے، معلوم نہیں ظہیر صاحب کی نظر سے مولانا شرف صاحب موصوف کی تصانیف کیوں نہیں گزریں؟ یا مصلحۃً انہوں نے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی ہے بہرحال یہ بھی ظہیر صاحب کی محض خوش فہمی و غلط بیانی ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب کا جواب نہیں دیا گیا۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء ص ۳۰۰)

الجواب آئینہ میں چونکہ اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اس لیے ظہیر صاحب کو اپنی دشنام طرازی کا جواب بھی دشنام طرازی کی صورت میں نظر آیا۔ بہتر ہوتا کہ ظہیر صاحب "چند پمفلٹ" کا نام بھی لکھ دیتے، تاکہ "قومی ڈائجسٹ" اور "رضائے مصطفٰے" کے قارئین کو وہ دیکھ کر ان کی سچائی کو پرکھنے کا موقع مل جاتا۔ اب ظہیر صاحب کو کھل کر یہ بتانا ہوگا کہ کیا؟

مجدّد الامہ : (من ہو احمد رضا) علامہ شجاعت علی قادری کی ۲۱۶ صفحات کی عربی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ اور کیا احسان الٰہی ظہیر نے اس کا جواب لکھا ہے؟

"اندھیرے سے اجالے تک" فاضلِ محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی کی ۲۷۸ صفحات کی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں علامہ موصوف نے اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے جھوٹے الزامات کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

"شیشے کا گھر" : علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں فاضلِ محقق نے لکھا ہے کہ خود انگریز نوازی کا "اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین (ظہیر وغیرہ) علمائے اہل سنّت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ ان پر شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے؟

ے شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

"**ندائے یارسول اللہ**": (مسئلہ توسل و استغاثہ) علامہ موصوف کی ۱۲۹ صفحات کی یہ ایمان افروز شائع کردہ کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں مسئلہ ندا، علم غیب اور توسل و استغاثہ پر مسلکِ اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کو مدلّل و مفصل بیان کرنے کے علاوہ ظہیر صاحب کو ان کے گھر کا آئینہ بھی دکھایا گیا ہے۔

"**مجموعۂ رسائل**": (ردِ روافض) علامہ موصوف کی ۸۸ صفحات کی شائع کردہ کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے شیعہ سے ہمنوائی کے بہتان کے پرخچے اڑائے گئے ہیں۔

"**مجموعۂ رسائل**": (ردِّ مرزائیت) علامہ موصوف کی ۱۱۶ صفحات کی شائع کردہ کتاب "پمفلٹ" ہے؟ جس میں اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے مرزائیوں سے بھائی چارے اور مرزا قادیانی کے بھائی کو اعلٰحضرت کا استاد قرار دینے پر ظہیر کی بے ایمانی و بددیانتی اور اس کی شقاوت و حماقت کا ردِّ بلیغ فرمایا گیا ہے۔

نام نہاد: "البریلویت" کے ردّ و جواب میں وسیع پیمانہ پر اس قدر تحقیقی تاریخی اور مدلّل و مفصّل شستہ و پاکیزہ علمی ذخیرہ کی اشاعت کے باوجود ظہیر صاحب کے اس بیان پر کہ نام نہاد "البریلویت" کے جواب میں "صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں"۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے

الحاصل: ظہیر صاحب کے ایک ایک الزام و افتراء کے جواب میں پوری پوری کتاب کی اشاعت کے بعد صورتِ حال بدل چکی ہے اور اب مذکورہ کتب کا جواب الجواب اور اپنی کذب بیانی و بددیانتی کی صفائی پیش کرنا خود ان کے ذمہ ہے جیسا کہ فاضلِ محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

(مولانا ابوداؤد محمد صادق مدظلہ، ماہنامہ رضائے مصطفٰے گوجرانوالہ، شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء)

احسان الٰہی ظہیر صاحب نے البریلویۃ نامی ایک کتاب عربی میں لکھی ہے، جس میں بریلوی لوگوں کے مزعومہ، ومفروضہ عقاید کی تردید کرنے کے علاوہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ذات و صفات پر بھی رکیک حملے کیے گئے ہیں اور عجیب و غریب الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عربی پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ان دنوں میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ بابوں اور ضمیروں سے کسی حد تک آگاہ ہو چکا تھا، مگر عربی لغات سے ناآشنا تھا۔ ایک دن خانقاہ شریف کے مال خانے میں بھینس کی ایک بچی — جسے ہماری زبان میں "کٹّی" کہا جاتا ہے — بندھی ہوئی تھی اور دم ہلا رہی تھی، سیّد محمود شاہ صاحب مدظلہ نے مجھ سے پوچھا کہ کٹّی پوچھل ہلاندی، سے (کٹّی دم ہلاتی ہے)، کی عربی کیا ہوگی؟ مجھے نہ "کٹّی" کی عربی آتی تھی نہ "پوچھل" کی۔

اس لیے میں نے فی الفور کٹّی کو عربی طریقے سے مؤنث کیا اور پوچھل کے ساتھ ضمیر لگائی اور کہا: کُٹَّۃٌ تُحَرِّکُ پُوْچَھلَھَا۔ شاہ صاحب اس عربی پر بہت ہنسے۔ اب بھی جب کبھی ہم دونوں عہد گزشتہ کی باتیں کر رہے ہوں تو اس واقعہ کو یاد کرکے خوب ہنستے ہیں۔

احسان صاحب کی اس کتاب میں بھی ایسی ہی عربی پائی جاتی ہے۔ مثلاً "رسید" فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب کو شاید اس کا عربی متبادل معلوم نہ تھا، اس لیے "رسید" کو ہی عربی کر لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

فَاِنَّھُمْ اَعْطَوُا الْعُصَاۃِ الْبُغَاۃِ رَسِیْدَ الْجَنَّۃِ۔ ص ۱۳۵

اسی طرح "بوسہ" بھی فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب نے اس سے "یَبُوْسُ" بنا لیا (صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم) ملاحظہ ہو ص ۱۳۸

اس قسم کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

علامہ شرف صاحب کی زیر نظر کتاب — اندھیرے سے اجالے تک — احسان صاحب کی اسی کتاب البریلویۃ کا مسکت جواب ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ایک لاجواب کتاب ہے اور اس میں جو خاص بات ہے، وہ مصنّف کی عالمانہ متانت ہے، جو کتاب کے صفحۂ اوّل سے صفحۂ آخر تک برقرار رہی، اور کہیں بھی جذباتی رنگ جھلکنے نہیں پاتا۔ بلاشبہ ایسی ہی کتابیں اہل علم میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور بلند پایہ لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔

کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا رضا علی خان کے واقعہ کے بیان میں "صورۃ" کی جگہ "سورۃ" لکھا ہوا ہے، مگر اتنی ضخیم کتاب میں کتابت کی چند غلطیاں رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں، البتہ ص ۲۶۲ پر ایک مشہور شعر کو مولانا جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے:-

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

حالانکہ یہ شعر جان محمد قدسی کی اس مشہورِ عالم نعت کا ہے، جس کا مطلع ہے

ع مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی

اس غلطی کی اصلاح ضروری ہے۔

طباعت اور کاغذ نہایت معیاری ہے۔

(تبصرہ نگار: قاضی عبدالدائم دائم ماہنامہ جام عرفان، ہری پور
شمارہ اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۴۸ - ۴۶)

نوٹ: اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں امکانی حد تک غلطیوں کی اصلاح کر دی گ
ہے جن جن حضرات نے اغلاط کی نشاندہی فرمائی مصنّف ان کے شکر گزار ہیں ۱۲ سعی

شیشے کے گھر

حضرت ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ

خانقاہ نقشبندیہ، مجددیہ، دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تازہ تالیفِ لطیف شیشے کے گھر شنبہ ۲۸ ؍ رمضان ۷ ؍ جون کو دو نسخے ڈاک سے ملے۔ آپ نے اچھا نام تجویز کیا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے ۔۔ زَادَكَ اللّٰهُ فِی الْعِلْمِ بَسْطَةً۔

اس قسم کے علمی جواہر پارے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہیں۔ اللہ تعالےٰ اہل سنت و جماعت کی شوکت میں اضافہ فرمائے۔ آپ دارین میں عافیت سے رہیں

جمعہ ۵ ؍ شوال ۱۴۰۶ھ — والسلام

۱۳ جون ۱۹۸۶ء — زید ابوالحسن فاروقی

حکیم محمود احمد برکاتی

۲۹۸-اے۔ لیاقت آباد نمبر ۴، کراچی ۱۹

شیشے کا گھر ملا، خوب ہے، بڑی محنت کی ہے آپ نے، مگر بڑا کام ہو گیا، اہل حدیث حضرات کی سرگرمیاں عہد ضیائی میں تیز تر ہو گئی ہیں اور پر اسرار بھی ہیں، اس فرقے کی تاریخ قبل غدر سے ملت دشمنی اور

انگریز دوستی کی تاریخ ہے ۔۔ حکیم صاحب محترم (حضرت حکیم نصیر الدین کراچی) کو بھی ان کا نسخہ پہنچا دیا ہے ۔۔ اللہ کرے آپ بخیر و عافیت ہوں

خاکسار

۲۰ ؍ جولائی ۸۶ء — محمود احمد برکاتی

مولانا نور احمد خاں فریدی

قصر الادب ۹۱۔ رائٹرز کالونی، ملتان

مرسلہ کتاب شیشے کا گھر موصول ہوئی، مناظرین کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کی تدوین میں خاصی محنت کی گئی ہے، میں نے شروع سے اخیر تک پڑھا اور کتاب اپنی جامع مسجد کے امام صاحب کو دے دی

۲۶ ؍ جون ۱۹۸۶ء

حکیم محمد حسین بدر چشتی

ڈیرہ نواب صاحب، بہاولپور

مرکزی مجلس رضا کی نئی اشاعت شیشے کے گھر موصول ہو گئی ہے، بہترین تحقیقی کوشش ہے۔ جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ ازراہ کرم اس کتاب کی دس کاپیاں مجھے بھجوائیں میں نے اپنے بعض محسنین کو روانہ کرنی ہیں

والسلام

نیاز کیش، محمد حسین بدر چشتی [1]

---

[1] افسوس کہ حکیم صاحب موصوف ۲۳ صفر المظفر مطابق ۸ ؍ اکتوبر ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۶ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

محمد عالم مختار حق ــــ لاہور

شیشے کے گھر کا کئی دنوں سے انتظار تھا،

بحمداللہ! دیر آید درست آید۔ بفضل اللہ! آپ جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں حق ادا کر دیتے ہیں قلم کا بھی اور مضمون کا بھی، یہ مضمون بھی اہل حدیث حضرات کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے، کاش! وہ اس پر غور کریں اور اپنی وہابیت سے تائب ہو جائیں، آپ نے غالباً اس کا کوئی نسخہ عبدالسلام خورشید صاحب کو بھی بھیج دیا جس کے باپ کے متعلق بعض لوگوں کا قیاس ہے کہ وہ بھی قادیانی تھے یا ان کے متعلق نرم گوشہ رکھتے تھے اور اس کتاب میں اس فرقہ کی بھی خبر لی گئی تھی، بھلا یہ بات خورشید صاحب کو کیسے بھا سکتی تھی؟ اس لیے انہوں نے ایسی کتابوں کی اشاعت پر اظہارِ ناپسندیدگی کیا ہے ــــ کاش انہوں نے البریلویۃ کا بھی مطالعہ کیا ہوتا۔ مگر اس کے لیے عربی کا جاننا ضروری تھا، اس لیے انہیں کیا معلوم؟ کہ ہم پہ کتنے چرکے لگائے گئے ہیں؟

آہ! بزیرِ شاخ گل، افعی گزیدہ بلبل را
نوا گرانِ ناخوردہ گزند راچہ خبر؟

بہرحال آپ نے خوب لکھا اور لطف یہ کہ انہی کے جوتے انہی کے سر ــــ اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر پہ چڑھ کر بولے۔ آپ نے اشاعۃ السنۃ کے فائل بالاستیعاب دیکھے ہوتے تو مضمون کی کچھ اور ہی شان ہوتی۔ بہرحال یہ بھی بہت ہے

عقل مند را اشارہ کافی است

مگر اس ٹولہ کی عقل کو تو گاؤ خورد و گاؤ را قصاب برد و گاؤ در راہ مرد ــــ انا للہ! حسب عادت بعض الفاظ صحت طلب نظر آئے انہیں اگلے ایڈیشن میں درست

کرا لیجئے گا

فقط والسلام
آپ کا محمد عالم

۱۹؍ جولائی ۸۶ء

جرائد

ماہنامہ الاشرف، کراچی

شمارہ : نومبر ۱۹۸۶ء

زیرِ نظر کتاب میں اہل حدیث حضرات کی فکری اور سیاسی تاریخ کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے اور اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو علمائے اہل سنّت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہیں خود ان کا ماضی کتنا کمزور اور نازک ہے۔ اہلِ علم بخوبی واقف ہیں کہ ان لوگوں نے کس طرح انگریزوں کی حمایت کی اور اس کے مقابلے میں علماء اہل سنّت کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مخالفین کی طرح خود ساختہ نتائج اخذ نہیں کیے گئے بلکہ ان کی کتابوں کے اقتباسات من وعن پیش کیے گئے ہیں۔

کتابت وطباعت کے لحاظ سے بھی یہ ایک معیاری کتاب ہے۔ اس کے مصنّف حضرت علاّمہ محمد عبدالحکیم شرف قادری اہلِ سنّت کے جید عالم دین ہیں اور یہ کتاب ان کی تحقیق کا منہ بولتا ثبوت ہے عوام اہل سنّت اس سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

(تبصرہ نگار : سید محمد اشرف جیلانی)

ہفت روزہ الہام، بہاولپور

۷۔ جون ۱۹۸۶ء

مولانا احمد رضا خاں پر مدت سے الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ انگریزوں کے کاسہ لیس اور ان کی حکومت کے حامی تھے۔ لیکن آج تک کوئی مائی کا لال ان کی تحریر و تقریر سے یہ ثابت نہ کر سکا۔ اس کے برعکس اہل حدیث حضرات جو پہلے وہابیت سے ملقب کیے جاتے تھے اور مسلمہ طور پر سرکار پرست اور انگریزی حکومت کے مداح اور بہی خواہ رہے ہیں۔ اپنی تمام سابقہ روایات کو چھپا کر اہل سنّت اور امام احمد رضا خاں بریلوی پر انگریز نوازی کا اتہام عائد کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

زیر تبصرہ کتاب میں انکو آئینہ دکھایا ہے اور ان کی تحریروں اور کتابوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کا طعنہ دینے والے خود سب سے بڑے انگریزی حکومت نواز رہے ہیں۔ "شیشے کے گھر" میں نواب صدیق حسن خاں سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی کی تحریروں تک بے شمار ایسے شواہد پیش کیے ہیں کہ غیر مقلدین کا انگریز پرست ہونا قطعی ظاہر ہے ان کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر نے جہاد آزادی میں بے شمار قربانیاں دیں۔ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان حضرات نے مجاہدین آزادی کو سرپھرا اور بیوقوف گردانا ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری بڑے محتاط صاحب قلم ہیں۔ تحقیق و تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے۔ باقی دیگر تصانیف میں بھی یہ پہلو ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اور شیشے کے گھر میں بھی انھوں نے یہی طریق استعمال کیا ہے جو لوگ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ زنی کرتے ہیں انھیں پہلے اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہیے ؞

روزنامہ امن، کراچی۔

مجلس رضا کراچی نے امام اہلِ سنّت مولانا شاہ رضا کی تعلیمات و خدمات دینی و علمی پر مبنی مطبوعات کا ایک سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ جس کی یہ نویں اشاعت ہے جس میں اکابر اہل حدیث کی مستند کتابوں کے اقتباسات کے حوالوں سے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے کہ علمائے اہل سنت (مقلدین) انگریزی حکومت کے کبھی وفادار رہے ہوں یا انہوں نے سامراجی استبداد کو قبول کیا ہو۔

تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ برصغیر میں انگریزوں کی آمد تک بقول مولوی بشیر احمد دیوبندی "ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ (غیر مقلد) کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اس فرقہ کا ظہور انگریز کی چشمِ التفات کا رہین منت ہے۔" عقائد سے متعلق اور برٹش سرکار سے روابط کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز محدث، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولانا غلام رسول مہر اور بہت سے زعما و علما کی تحریروں کے اقتباس شامل کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ کتاب ان کتابوں یا مضامین کے جواب میں مرتّب کی گئی ہے جو علمائے اہل حدیث کی جانب سے متنازعہ موضوعات پر شائع ہوئی ہیں۔

ہمارے خیال میں امتِ مسلّمہ آج جن حالات سے گزر رہی ہے اسے سیاسی سے زیادہ مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے عقائد چھیڑے بغیر اپنے عقائد کا اظہار و ابلاغ مناسب ہوگا۔ ورنہ اس پریشان کن ماحول میں فریقین کے اکابرین کو ہدفِ ملامت بنا کر امتِ مسلمہ کو مزید نفاق کی راہ پر لگانا ہے جو معروضی صورتحال میں مناسب نہ ہوگا جبکہ عام آدمی سے قطع نظر اہل علم و فکر اور مختلف مسائل کے

طلباء کی نظر سے ماضی میں جو کچھ ہوا وہ پوشیدہ نہیں۔ ایسے مباحث منافرت سے زیادہ مناقشوں اور مجادلوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ فریقین پہل کرنے سے احتراز کریں ورنہ جواباً زلزلہ اور "شیشے کے گھر" جیسی کتابیں منظرِ عام پہ آتی رہیں گی۔ تاہم یہ خوشی ہے کہ مؤلف نے روایتی جارحیت کے بجائے عالمانہ شائستگی، استدلال علمی اور آدابِ قلم ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اقتباسات کے ذریعہ التزامی رویئے سے کام لیا ہے۔

(تبصرہ نگار: عاقل بریلوی)

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

بعض بدنہاد اور نافرجام لوگوں نے اختلاف اور انتشار پھیلانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں اور ان کے عزائم مشؤمہ سے ہماری تحریک (اتحاد) کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے۔ مگر ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے "اندھیرے سے اجالے تک" اور "شیشے کے گھر" جیسی تالیفات نے متلاشیانِ حق کے لیے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور قارئین کو بتا دیا ہے کہ کتاب و سنت میں کفار و منافقین کی بابت واضح اشارات کو شمع رسالت کے پروانوں پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا۔

(اتحاد بین المسلمین حصہ دوم ص ۱۸ مکتبہ رضویہ، لاہور جنوری ۱۹۸۸ء)

دعوتِ عمل

1 — فرائض و واجبات کی ادائی کو ہر کام پر اوّلیت دیجئے۔ اسی طرح حرام و مکروہ کاموں اور بدعات سے اجتناب کیجئے کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

2 — فریضۂ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ تمام تر کوشش سے ادا کیجئے کہ کوئی ریاضت اور مجاہدہ ان فرائض کی ادائی کے برابر نہیں ہے۔

3 — خوش اخلاقی، حُسنِ معاملہ اور وعدہ وفائی کو اپنا شعار بنائیے۔

4 — قرض ہر صورت میں ادا کیجئے کہ شہید کے تمام گناہ مُعاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن قرض مُعاف نہیں کیا جاتا ہے۔

5 — قرآن پاک کی تلاوت کیجئے اور اس کے مطالب سمجھنے کے لیے کلامِ پاک کا بہترین ترجمہ "کنز الایمان" از امام احمد رضا بریلوی پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے۔

6 — دینِ متین کی صحیح شناسائی کے لیے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علماء اہلِ سُنّت کی تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔ جو حضرات خود نہ پڑھ سکیں وہ اپنے پڑھے لکھے بھائی سے درخواست کریں کہ وہ پڑھ کر سُنائے۔

7 — فاتحہ، عرس، میلاد شریف اور گیارہویں شریف کی تقریبات میں کھانے، شیرینی اور پھلوں کے علاوہ علماء اہلِ سُنّت کی تصانیف بھی تقسیم کیجئے۔

8 — اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے احکام و فرامین جاننے، ان پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے دعوتِ اسلامی کی تحریک میں شمولیت اختیار کیجئے۔

9 — ہر شہر میں سُنّی لٹریچر فراہم کرنے کے لیے کُتب خانہ قائم کیجئے یہ تبلیغ بھی ہے، اور بہترین تجارت ب

10 — ہر شہر اور ہر محلہ میں لائبریری قائم کیجئے اور اس میں علماء اہلِ سُنّت کا لٹریچر ذخیرہ کیجئے کہ تعلیم دین کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

11 — انجمن طلباء اسلام کی ہر ممکن امداد اور سرپرستی کیجئے۔

12 — رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور کی رکنیت قبول کیجئے، رکنیت فارم اکیڈمی کے دفتر سے طلب کیجئے۔

رضا اکیڈمی (رجسٹرڈ)۔ لاہور۔ پاکستان